فقہ المعاملات

یعنی

جدید معاملات کے شرعی احکام

۳ جلد یکجا مجلّد

جناب مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب
معین مفتی و استاد جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

دار الاشاعت
اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

فقه المعاملات

یعنی

جدید معاملات کے شرعی احکام

کامل ۳ جلد یکجا

جلد سوم

جناب مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب
معین مفتی واستاد جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس
ضخامت : 267 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿......... ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین ﴿جلد ثالث﴾

كتاب الخطر والاباحة

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے انتہائی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی حکمت والے ہیں۔ اس لیے ہر وہ چیز جس کی ذات میں خبث وگندگی ہے یا جو چیزیں انسان کی صحت وعقل کے لیے مضر ہیں ان کے استعمال کو حرام قرار دیا اور جو پاکیزہ لذیذ چیزیں اور انسان کے حق میں مفید ہیں ان کے استعمال کو حلال قرار دیا ہے، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اسطرح کہ احکام خداوندی کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں۔

وقوله تعالىٰ: ﴿ وكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا واتقوا الله الذى انتم به مؤمنون ﴾ (مائدة : ٨٨)

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے فرض منصبی میں یہ بات داخل فرمائی کہ لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز سکھائیں:

كقوله تعالىٰ: ﴿ يامرهم بالمعروف وينههم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ﴾ (اعراف : ١٥٧)

یعنی ارشاد باری تعالیٰ کہ وہ ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ حلال کو اختیار کرے اور حرام سے اجتناب کرے۔

حرام جانوروں کا بیان:

کونسا جانور حرام ہے اور کونسا حلال ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے ضابطہ بیان فرمایا:

عن أبي ثعلبة الخشني أنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه

وسلم عن اکل کل ذی ناب من السباع ." (اخرجه مسلم : رقم ۱۹۳۲ باب تحریم کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر)

یعنی ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحشی جانوروں میں سے کچلی کے دانت والے جانور کے گوشت استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری روایت میں ارشاد ہے کہ پرندوں میں جو پنجوں سے شکار کرنے والے ہیں ان کا گوشت استعمال کرنا ممنوع ہے۔

کما روي عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه : ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن کل ذی ناب من السباع ، و کل ذی مخلب من الطیر . (اخرجه مسلم رقم ۱۹۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور یا پرندہ شکار کر کے کھاتے ہیں، یا ان کی غذا محض نجاست ہے، ان کا گوشت استعمال کرنا حرام ہے، جو ایسا نہیں ہے وہ حلال ہے۔

حرام جانوروں کی فہرست:

شیر، بھیڑیا، گیدڑ، بلی، کتاب، ہاتھی، بندر، یا، خنزیر، شکرا، باز، چیل، گدھ وغیرہ

حلال جانوروں کی فہرست:

گائے، بیل، بھینس، اونٹ، بکری، د: طوطا، مینا، فاختہ، چڑیا، بٹیر، مرغابی، کبوتر، نیل گائے، ہرن، بطخ، خرگوش وغیرہ۔

بگلے اور سارس کا حکم:

بگلے اور سارس بھی حلال پرندوں میں سے ہے بعض لوگ محض غلط فہمی کی وجہ سے ان کا گوشت استعمال نہیں کرتے، حالانکہ بگلے اور سارس نہ پنجوں سے شکار کرتے ہیں نہ ہی ان کی غذا محض نجاست ہے لہذا ان کا گوشت استعمال کرنا حلال ہے۔

گھوڑا مکروہِ تحریمی ہے:

گھوڑے کا گوشت حلال یا حرام اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مکروہِ تحریمی ہے۔ جبکہ صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں

چونکہ گھوڑا گائے، بھینس حلال جانوروں کے مشابہ ہے لہٰذا اس کا گوشت استعمال کرنا حلال ہے۔ باقی علت حرمت یقیناً اس کے اندر کسی قسم کا خبث کا ہونا، یا اس کی غذا گندگی ہونا نہیں بلکہ چونکہ گھوڑا قیامت تک کے لیے آلہ جہاد ہے، اگر اس کے گوشت کے استعمال کو حلال قرار دیا جائے تو گھوڑے کی قلت ہو جائے گی۔

وفي التنوير وشرحه: والخيل وعندهما والشافعي رحمهم الله تعالىٰ تحل وقيل إن ابا حنيفة رحمه الله تعالىٰ رجع عن حرمته قبل موته بثلاثة ايام وعليه الفتوى عماديه ولا بأس بلبنها على الاوجه.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (قوله وعليه الفتوى) فهو مكروه كراهة تنزيه وهو ظاهر الرواية كما في كفاية البيهقي وهو الصحيح على ما ذكره فخر الاسلام وغيره قهستاني ثم نقل تصحيح كراهة التحريم عن الخلاصة والهداية، والمحيط والمغنى، وقاضيخان، والعمادى وغيرهم وعليه المتون، وافاد ابو السعود انه على الاول لا خلاف بين الامام وصاحبيه، رحمهم الله تعالىٰ لانهما وإن قال بالحل لكن مع كراهة التنزيه كما صرح به في الشرنلالى عن البرهان قال ط. والخيل في خيل البر واما خيل البحر فلا توكل اتفاقا. (ردالمحتار: ۵/۲۱۴)

وقال العلامة محمد على الصابوني: أما لحوم الخيل فيجوز أكل لحمها، لأنها تشبه الأنعام، من الإبل والغنم والبقر، وتأكل العلف، ولا تأكل اللحم أو القذر، كما يأكله الخنزير، وقد كره بعض الفقهاء أكل لحم الخيل، لأنها آلة الجهاد في كل عصر و زمان. كما قال صلى الله عليه وسلم: "الخيل معقود في نواصيها الخير، إلى يوم القيامة" فالكراهة عندهم ليس لحرمتها، وإنما هي خشية أن يقل نسلها أو ينقرض، وهي آلة المجاهدين، التي لا يستغني عنها الغزاة، في كل عصر و زمان.

ومما يثبت حل أكل لحوم الخيل، ما ثبت في الصحيح عن جابر بن عبد الله: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى يوم خيبر، عن لحوم الحمر الأهلية، وأذن في لحوم الخيل."

(رواه مسلم: رقم ١٩٤١)

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔

وفي رواية الترمذي عن جابر رضي الله عنه أنه قال: "أطعمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الخيل، ونهانا عن لحوم الحمر" يعني الحمر الأهلية. (اخرجه الترمذي: رقم١٧٩٣ في الاطعمه)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھلایا اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

گھوڑے کے دودھ کا حکم:

گھوڑے کے گوشت کے استعمال کے بارے میں اگر چہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے لیکن دودھ کا استعمال حلال ہونے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، بلکہ یہ گائے کے دودھ کی طرح حلال ہے،اس سے تیار کردہ گھی اور پنیر وغیرہ بھی حلال ہے۔

گدھے کے گوشت کا حکم.

پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے،البتہ جنگلی گدھے جن کو گورخر کہا جاتا ہے ان کا گوشت حلال ہے۔

قال العلامة الصابوني:

الحمير التي تعيش مع الناس، في المدن والقرى، ويركبونها ويحملون عليها الأثقال، فقد جاء تحريم أكلها صريحاً في الأحاديث الشريفة.

١ ـ روى مسلم والترمذي عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: "نهى عن متعة النساء ـ أي

زواج المتعة ۔ يوم خيبر ، وعن لحوم الحمر الإنسية ۔"

(اخرجه مسلم رقم :١٤٠٧ ، والترمذي رقم ١٧٩٤ في الأطعمة)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی فتح کے موقع پر متعہ اور گدھے کے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

٢۔ وروي مسلم عن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنه أنه قال : " أصابتنا مجاعة يوم خيبر ، ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وقد أصبنا للقوم حمرا خارجة من المدينة ۔ يعني حمرا أهلية ۔ فنحرناها ، فإن قدورنا لتغلي بها ، إذ نادىٰ منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اكفئوا القدور ۔ أي اقلبوا ما فيها وارموه ولا تطعموا من لحوم الحمر شيئا !! وتحدثنا بيننا فقلنا : حرمها البتة " أي مطلقا وأبدا . (أخرجه مسلم في كتاب الصيد والذبائح رقم ١٩٣٧)

٣۔ وفي رواية أخرى لمسلم : " أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبا طلحة فنادى إن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر ، فإنها رجس أو نجس ."

٤۔ وروي الترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال : " حرَّم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر ، كل ذي ناب من السباع ، والمجثمة ۔ أي التي تكون هدفا للنبال ۔ والحمار الإنسي " أي الأهلي . (أخرجه الترمذي رقم : ١٧٩٥ في الاطعمه)

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن ہر اس جانور کے گوشت کو حرام فرمایا جو کچلی کے دانت والا ہو، اور جس جانور کو نشانہ بنایا گیا ہو تیر اندازی کا اور پالتو گدھا کا گوشت۔

خچر کے گوشت کا حکم:

خچر گھوڑی سے پیدا ہوتا ہے اور شرعاً جانوروں کی نسل کا حکم یہ ہے کہ بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا یہ خچر بھی گھوڑی کے حکم میں داخل ہو کر اس کے گوشت کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

خنزیر کے گوشت کا حکم:

خنزیر کے گوشت از روئے قرآن وحدیث حرام ہے، جس مسلمان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت

پر ایمان ہو ان کی شان سے بعید ہے کہ خنزیر جیسے نجس جانور کے کسی بھی جزء سے استفادہ کرے، اس کے باوجود بعض لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور اعتراضات کرتے ہیں اس لیے ذیل میں ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے، جس میں شکوک کے جوابات مذکور ہیں۔

خنزیر کی حرمت میں فلسفہ:

سوال: جناب مفتی صاحب! یہاں جاپان میں عموماً خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے حتیٰ کہ بعض مسلمان جو کہ عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہیں وہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے اور خنزیر کے گوشت میں کوئی فرق نہیں دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوتا ہے بلکہ خنزیر کا گوشت گائے کے گوشت سے لذیذ ہوتا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے؟

جواب: اسلامی نقطہ نظر سے کسی چیز کی حلت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہوتی ہے اور جس کو حرام فرمادیں وہ حرام ہوتی ہے۔اس مسئلہ میں کسی کو قیاس آرائی کی اجازت نہیں کہ وہ ادھر ادھر صغری وکبری ملا کر کسی چیز پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی طرح گائے کو بھی حلال قرار دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثمانية ازواج من الضأن اثنين و من المعز اثنين قل أالذكرين حرم أم الأنثيين ...... ومن البقر اثنين قل أالذكرين حرم أم الأنثيين ﴾

(سورة الأنعام : پاره ۸)

ترجمہ: ”آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپ ﷺ کہہ دیں کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو......اور گائے میں دو قسم، آپ ﷺ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔“

مشہور مفسرِ قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ثم بين اصناف الانعام الى غنم ...... الابل ذكورها واناثها وبقر كذلك وانه تعالى لم يحرم شيئا من ذلك و لا شيئا من اولادها بل كلها مخلوقة لبنى ادم اكلا وركوباً وحمولة وحلباً وغير ذلك من

وجوه المنافع . (تفسیر ابن کثیر : ۲ / ۸۳)

ترجمہ: ''پھر اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی اقسام کو بیان کیا ...... حتی کہ اونٹ اس کا نر و مادہ اور اسی طرح گائے بھی ، بے شک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے ، سواری ، بار برداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔''

اس لیے گائے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں اور خنزیر کو بعض حیوانات کی طرح حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قل لا أجد في ما أوحي الي محرما على طاعم يطعمه' إلا أن يكون ميتة او دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقا ﴾

(سورة الانعام : پاره ۸)

ترجمہ: '' آپ ﷺ فرمادیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سؤر کا کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے۔''

اور اسی پر امت کا اجماع ہے، علامہ دمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔''

(حیات الحیوان اردو : ۲ / ٦١ الخنزیر)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثار صحابہ وتابعین اس کثرت سے دال ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے ، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1- اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اوّل درجہ کا نجاست خور ، بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور برے جانور کے گوشت کا اثر (انسانی) بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی

انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی برا ہی ہوگا، جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے، پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعتِ اسلامیہ نے منع فرمادیا۔

2- خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اس کی خوراک ہے اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے، پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

3- صاحبِ مخزن الادویہ فسادِ گوشت خوک (خنزیر) اور اس کی حرمت کی تیرہ وجوہِ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرتِ انسانی کے برخلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''گوشت خوک موار خلط غلیظ است و مورث حرص شدید وصداع مزمن، دوادالفیل، واوجاع المفاصل وفسادِ عقل وزوال، مروت وغیرت وحمیت وباعثِ فحش است واکثرے از فرق غیر اسلامی آں رامی خورند وقبل از ظہور نورِ اسلام گوشت آں را در بازار ہامی فروختند وبعد ازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع وموقوف گردید بسیار کثیف وبد ہیئت است۔''

(احکام اسلام عقل کی نظر میں : ٢٠٤)

4- سؤر کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو کہ آنکھوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام ٹرکن اوسس ہے جو کہ صحرائی آب وہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ گائے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

1- یہ سارے جانور دراصل مزاجِ انسانی کے موافق اور ستھرے ومعتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اسی توافق واعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں، فطرتِ انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہو اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہوتے

مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں لہذا اللہ تعالی نے ایسا ہی کیا۔

2- جبکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال و جمال دونوں کا ہونا مناسب تھا، لہذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جلال و جمال ہر دو صفات موجود ہیں۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں : ۲۱۷)

مزید تفصیل کے لیے "حیات الحیوان" از علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالی کی طرف مراجعت کریں، مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم کافی ہے۔

(ماخوذ از فتاوی حقانیہ : ٤٥٤/٦)

علامہ صابونی صاحب خنزیر کے گوشت حرام ہونے کی علتیں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن جهة الاخرى : فإن من خصائص الخنزير وطباعه ، عدم الغيرة على انثاه ، فمن اكل لحمه ، اصابه من طباعه ، ففقد الغيرة التى هى من اكبر المزايا الانسانية ، والشاهد على ذلك حال الشعوب الاوروبية والا ميركية ، الذين يستبيحون اكله ومن يقلدهم ويتطبع بطباعهم .

یعنی خنزیر کی خاصیت اور طبیعت یہ ہے کہ اس کو اپنی مادہ پر غیرت نہیں آتی لہذا جو شخص خنزیر کا گوشت استعمال کرے گا وہ بھی ضرور بے غیرت بن جائے گا، کیونکہ انسان جو غذا استعمال کرتا ہے اس کا اثر اس کی طبیعت پر پڑتا ہے، اس پر یورپ، امریکہ اور دیگر غیر مسلم خنزیر خور اقوام کے حالات شاہد ہیں، اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے خنزیر کے کسی بھی جز کو استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

فإنهم لا يعرفون للغيرة معنى ، ولا للشرف قيمة ، بل يعيبون الغيور ، ويعدونه غريبا ، ويقولون : إن الغيرة هي خلق الرجعيين ، ولا تليق بالإنسان المتحضر ، لذلك فإنهم يرون زوجاتهم وبناتهم في أحضان الفجار والفساق ، يراقصن من يشأن من الرجال ، وربما وصل الحال بهن إلى الممارسة الجنسية ، ولا يتحرك عندهم ساكن ، ولا غيرة على العرض والشرف ، ولعمر الحق إن هذه لهي الجاهلية

الكبرى " جاهلية القرن العشرين " التي تشمئز منها النفوس الكريمة ، وأصحاب الضمائر السليمة ، ولا كرامة للإنسان إذا فقد المروءة والشرف !!

ضب (گوہ) کے استعمال کا حکم:

ضب جس کو فارسی میں سوسمار اور اردو زبان میں گوہ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے اس لیے اسکا استعمال مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسرے ائمہ اس کی حلت کے قائل ہیں، ان کا مستدل بھی بعض احادیثِ مبارکہ ہیں جو گوہ کی حلت پر دال ہیں لیکن احناف فرماتے ہیں: جب کسی مسئلہ میں حلت وحرمت کا تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا حرمت والی احادیث راجح ہوں گی۔

قال العلامة الصابوني حفظه الله : يباح أكل لحم الضب ، وهذا رأي جمهور الفقهاء ، وكرهه بعض الفقهاء ، لأن النبي صلى الله عليه وسلم عافه ولم يأكل منه ، ولو كان طيباً لأكله ، وحجتهم في كراهية أكله ما روي عن عائشة رضي الله عنها : " أن النبي صلى الله عليه وسلم أهدي له ضب فامتنع عن أكله ." (أخرجه اصحاب السنن)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو "ضب" گوہ کھانے کیلئے پیش کیا گیا آپ ﷺ نے کھانے سے انکار فرمایا،

وفي رواية عن أبي الزبير قال : سألت جابراً عن الضب ؟ فقال : " لا تطعموه ـ أي لا تأكلوه ـ وقذره ، وقال عمر بن الخطاب : إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يحرمه " (أخرجه مسلم رقم ١٩٥٠ في كتاب الصيد) وأما حجة الجمهور الذين أباحوا أكله فهو ما رواه مسلم في صحيحه عن ابن عباس : " أن خالد بن الوليد ـ الذي يقال له : سيف الله ـ أخبره ، أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وهي خالة ابن

عباس، فوجد عندها ضبا محنوذا ـ أي مشويا ـ فقدمت الضب لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فأهوى يده إلى الضب، فقالت امرأة: أخبرن رسول الله صلى الله عليه وسلم بما قدمتن له، قلن يا رسول الله صلى الله عليه وسلم: هو الضب!!

فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده، فقال: خالد بن الوليد: أحرام الضب يا رسول الله!! قال: لا، ولكنه لم يكن بأرض قومي، فأجدني أعافه!!

قال خالد: فاجتررته فأكلته، ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر، فلم ينهني."

(أخرجه مسلم فى صحيحه رقم ١٩٤٣ باب اباحة الضب)

فقول الرسول صلى الله عليه وسلم: ليس بحرام نص واضح صريح، على حل أكله، ولكن الرسول صلى الله عليه وسلم لم يعتد عليه، فلم يأكله لذوقه الرفيع صلى الله عليه وسلم، وعافته نفسه، ولم يحرمه، وأقر من أكله ولم ينهه، ولو كان حراما لنهاه عن أكله.

وأخرج الترمذي: عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن أكل الضب، فقال: "لا أكله، ولا أحرمه"

قال الترمذي: وقد اختلف أهل العلم في أكل الضب، فرخص فيه بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، وكرهه بعضهم، ويروي عن ابن عباس أنه قال: "أكل الضب على مائدة رسول الله صلى الله عليه وسلم تقذرا" أي تركه كراهية له، لبشاعة منظره، حيث يشبه الزواحف من الثعابين والأفاعي، ونفوره عليه السلام منه، لأنه لم يكن في أرض قومه، ولم يتعود عليه، مع أنه حلال، ولو كان حراماً لمنع أصحابه من أكله.

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: ويكره أكل الضبع

والضب والسلحفاة والزنبور والحشرات كلها .

(الهداية : ٤/ ٤٤٠ كتاب الذبائح)

حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا حکم:

کیڑے مکوڑے جتنے اقسام کے ہیں چونکہ ان کا استعمال انسانی صحت کے لیے مضر ہے، اس لیے ان کا کھانا حرام ہے جیسے، سیہ، کیچوا، چوہے، مینڈک، سانپ، بچھو، چھپکلی، ممولہ، نیولہ اور دیگر زمین پر چلنے والے دیگر چھوٹے بڑے، کیڑے مکوڑے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ﴾

قال ابوبكر الجصاص : ذكر القنفذ عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال خبيثة من الخبائث : فشمله حكم التحريم بقوله تعالىٰ : ﴿ ويحرم عليهم الخبائث ﴾ والقنفذ من حشرات الأرض ، وكل ما كان من حشراتها فهو محرم قياسا عليه .

(أحكام القرآن للامام الجصاص : ٣/ ٢١)

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے قنفد (سیہ) کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خباثت میں سے ایک خبیث ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ويحرم عليهم الخبائث ﴾ میں داخل ہے۔

موذی جانوروں کو قتل کرنے کا حکم:

بعض جانور انتہائی موذی ہوتے ہیں ان کو قتل کرنے کی ہر وقت اجازت ہے۔

كما روي عن ابن عباس وعبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه وغيرهما " خمس من الفواسق يقتلن في الحل والحرم ، الغراب ، والحدأة ، والعقرب ، والفارة والكلب العقور .

(الحديث اخرجه البخاري رقم ٩٢٦ ، ومسلم رقم ٦٩ والترمذي رقم ٨٣٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ قسم کے حیوانات ایذاء پہنچانے والے ہیں ان کو حرم میں اور حرم کے باہر ہر جگہ قتل کیا جائے گا،

١۔ کوا ٢۔ چیل ٣۔ بچھو ٤۔ چوہا ٥۔ باؤلہ کتا

کوا کھانے کا حکم:

کوے کو عربی میں "غراب" کہا جاتا ہے، فقہاءِ کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

1- بعض کوئے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور نجس چیزیں کھاتے ہیں، غراب (کوے) کی یہ قسم حرام ہے۔

2- دوسری قسم کے کوئے وہ ہیں جو کھانے میں صرف دانے (پاکیزہ چیزیں) استعمال کرتے ہیں، مردار نہیں کھاتے ان کا کھانا حلال ہے۔

3- کووں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے مرکب ہوتی ہے، یعنی مردار بھی کھا لیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اگر چہ اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپ رحمہ اللہ ہی کے قول پر ہے۔

لما قال العلامه فخر الدين عثمان بن على الزيلعى رحمه الله :

والغراب ثلاثة انواع يأكل الجيف فحسب فإنه ، لا يؤكل ونوع يأكل الحب فقط فإنه ، يؤكل ونوع يخلط بينهم وهو ايضاً يؤكل عند ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وهو العقعق لانه ، كالدجاج وعن ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ انه يكره لان غالب ماكوله الجيف والأول اصح ـ انتهى . (تبيين الحقائق ٥/٢٩٥ كتاب الذبائح)

قال العلامة ابن همام رحمه الله تعالىٰ : وفي الذخيرة واما الغراب الابقع والاسود فهو انواع ثلاثة نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف وانه لا يكره ونوع منه لا يأكل الا الجيف وإنه مكروه ونوع يختلط الحب بالجيف ياكل الحب مرة والجيف الاخرى وإنه غير مكروه عند ابي حنيفة وعند ابي يوسف رحمه الله تعالىٰ يكره الغداف وهو غراب القيظ ويكون ضخما وافرابحاحين . (فتح القدير : ٨/٤١٩)

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال: جس پھل میں کیڑا لگا ہوا اس کا کھانا کیسا ہے؟ نفع المفتی والسائل سے بغرضِ تصدیق ایک سوال اور جواب پیش خدمت ہے:

الاستفسار: هل يحل اكله الدود التي تكون في التفاح وغيره معه.

الاستبشار: نعم لتعسر الاحتراز منه واما إذا فردت واكلت فحكمها حكم الذباب كذا في مطالب المؤمنين. (نفع المفتي والسائل: صـ ١١٠) بينوا توجروا

جواب: کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے، کیونکہ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نفع المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ولا بأس بدود الزنبور قبل ان ينفخ فيه الروح لان مالا روح له لا يسمى ميتة خانية وغيرها قال ط ويؤخذ منه ان اكل الجبن او الخل او الثمار كالنبق بدوده لا يجوز ان نفخ فيه الروح. (ردالمحتار: ٥/١٩٤)

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ جانور کی کھال اور ہڈی سے بنتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا

جواب: اولاً جیلی کا ہڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی کی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات واوہام کی بناء پر احتراز کرنا دین میں تعمق وغلو ہونے

کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔

(ماخوذ از احسن الفتاوی)

چائے میں مکھی گرنا:

سوال: گرم چائے میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر چائے پینا حلال ہے یا حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے حلت معلوم ہوتی ہے:

ومعنى امقلوه اغمسوه وجه الاستدلال به ان الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما امر النبي صلى الله عليه وسلم ليكون شفاء لنا إذا اكلناه . (البحر الرائق : ۱/۸۸)

جواب: مکھی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ مکھی کے اجزاء اس میں حل ہو جانے یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔

جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔ چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استخباث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہٰذا بڑی دیگ میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، نیز اگر شربت، لسی وغیرہ ٹھنڈی چیز میں مکھی گر جائے تب بھی مکھی نکال کر پھینک دی جائے اس کے بعد شربت کا استعمال جائز ہے۔

قال الإمام ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ : روي عن محمد رحمه الله تعالىٰ إذا تفتت الضفدع فى الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت اجزاؤه فيه وهذا تصريح ، أن كراهة شربه تحريمية وبه صرح فى التجنيس فقال يحرم شربه .

(فتح القدير : ۱/۵۸)

وكذا قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ .

(البحر الرائق : ۱/۸۹)

وقال أيضا : واعلم ان كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء

وهو الاصح كذا في المحيط والتحفة والاشبهه بالفقه كذا في البدائع لكن يحرم اكل هذه الحيوانات المذكورة، ماعدا السمك الغير الطافى لفساد الغذاء وخبثه متفسخا او غيره وقد قدمناه عن التجنيس. (البحر الرائق ۱/ ۹۰) ۔ (احسن الفتاوی بتغير يسير)

جلالہ (نجاست خور جانور) کا حکم:

بعض جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نجاست کھاتے ہیں، یعنی ان کی غذا کا اکثر حصہ گندگی ہوتی ہے، جس سے ان کے گوشت میں بو پیدا ہو جاتی ہے، ایسے جانوروں کے گوشت کھانا مکروہ ہے، لہٰذا فقہاءِ کرام نے جواز کا یہ طریقہ ذکر فرمایا ہے کہ ایسے جانور کو ذبح سے پہلے مناسب مدت کے لیے بند کر کے پاکیزہ غذا چارہ کھلایا جائے وہ مدت جس گائے، بھینس، اونٹ کے لیے دس دن ہے، بکری وغیرہ کے لیے چار دن، مرغی کے لیے تین دن ہے۔ اس مدت میں صاف غذا استعمال کرنے کی وجہ سے گوشت پاکیزہ ہو جائے گا لہٰذا کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

قال الفقهاء: تزول الكراهةُ بحبسها، وعلفها عشرة أيام، في الإبل والبقر، وأربعه أيام في الشياه والأغنام، ثلاثة أيام في الدجاج.

(الدر المختار: ۱۷۲/۵)

وحجتهم في كراهية أكلها ما رواه الترمذي عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... الجلاله وألبانها." (أخرجه الترمذي رقم ۱۸۲٤ باب ما جاء في أكل لحوم الجلالة والبانها)

ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا ہے،

وهذا نهي كراهية لا نهي تحريم.

وروي أيضاً عن ابن عباس رضي الله عنه: "أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المجثمة، ولبن الجلالة، وعن الشرب من في - أي فم - السقاء.

(أخرجه الترمذي رقم ١٨٢٥ وقال : هذا حديث صحيح)

المجثمة : الحيوان الذي يحبس لا صقًا بالأرض ، ويرمى عليه حتى يموت ، والجلالة التي معظم علفها من القمامات والنجاسات.

قال في الموسوعة الفقهية : الجلالة : هي التي تأكل الجلة ـ أي العذرة والنجاسة ـ ويكره أكل لحمها ، سواء كانت من الإبل ، أو البقر ، أو الغنم ، أو الدجاج ، أو غير ذلك ، لأنها نتن ، فلا بد لمن أراد ذبح الجلالة ، أن يحبسها أياما ، حتى تذهب عنها الرائحة الكريهة ، ويطيب لحمها ، وقد قدرت مدة الحبس ، بثلاثة أيام للدجاجة ، وأربعة أيام للشاة ، وعشرة أيام للإبل والبقر .

(الموسوعة الفقهية للشيخ خليل كونانج ١/١٣٧)

جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں:

حلال جانوروں کے اندر سات چیزیں حرام ہیں:

1- بہتا خون 2- مذکر کی پیشاب گاہ

3- خصیتین (کپورے) 4- مونث کی پیشاب گاہ

5- غدود 6- مثانہ 7- پتہ

قال فی الھندیة : واما بیان ما یحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان ، والقبل والغدہ والمثانة ، والمرارہ کذا فی البدائع . (عالمگیریة : ٥/٢٩٠)

سمندری جانوروں کا حکم:

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی ایسا جانور ہے کہ اس کے گوشت کو حلال و پاکیزہ قرار دیا ہے، اس کے حلال ہونے کے لیے ذبح کی ضرورت نہیں۔

لقوله علیه السلام : احلت لنا میتتان ودمان : اما المیتتان ، فالسمك والجراد ، واما الدمان : فالکبد والطحال .

(اخرجه ابن ماجه رقم : ٢٣٥٧ ورواہ احمد والشافعی)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے (یعنی امت محمدیہ ﷺ کے لیے) دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہے، اور دو خون جگر اور کلیجی ہے۔

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی حلال ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور جانور بھی حلال ہے؟ اس میں فقہاءِ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف ہیں،

تفصیل کے لیے استاذِ محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کی ایک تحریر پیش خدمت ہے جو انہوں نے حدیث مذکورہ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

''یہاں پر کئی مسائل بحث طلب ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کونسے حرام ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خنزیر بحری کے سوا تمام مائی جانور حلال ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ سمک (مچھلی) کے علاوہ تمام جانور حرام ہیں اور سمک طافی بھی حلت سے مستثنیٰ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں:

1- حنفیہ کے مطابق

2- جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں، مثلاً بقر بحری (دریائے گائے) حلال اور کلب بحری (کتا) حرام ہے اور جس بحری جانور کی خشکی میں نظیر نہ ہو تو وہ حلال ہے۔

3- ضفدع، تمساح، سلحفاۃ، کلب بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں، باقی تمام جانور حلال ہیں۔

4- ضفدع (یعنی مینڈک) کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر اسے شافعیہ کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

وقال بعض الفقهاء وابن ابی لیلیٰ انه یحل اکل ما سوی السمك، من الضفدع، والسرطان، وحیة الماء وکلبه وخنزیره ونحو ذلك لکن بالذکاة وهو قول اللیث بن سعد الافی انسان الماء وخنزیره فانه لا یحل. (بذل المجهود: ١/٥٤)

مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل یہ ہیں:

1- ﴿ احل لکم صید البحر و طعامه ﴾ اس آیتِ قرآنی میں لفظ "صید" عام ہے، اس لیے ہر جانور حلال ہوگا۔

2- ترمذی کی حدیث باب میں "الحل میته" کے الفاظ ہر میتۃ ماء کی حلت بیان کر رہے ہیں۔

3- حدیث العنبر سے بھی مالکیہ اور شوافع کا استدلال ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم ایک عرصہ دراز تک ایک سمندری جانور کھاتے رہے، جس کا نام عنبر تھا۔ باب غزوۃ سیف البحر میں بخاری کی اس روایت میں الفاظ یہ ہیں:

"فالقى لنا البحر دابة يقال له العنبر فاكلنا منه نصف شهر الخ ."

اس روایت میں لفظ دابہ بتلا رہا ہے کہ وہ جانور مچھلی کے علاوہ اور کوئی چیز تھی۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ آیتِ قرآنی ﴿ ولحم الخنزير ﴾ کے عموم کی وجہ سے خنزیر بحری کو حلت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ احادیث النہی عن قتل الضفدع کی بناء پر ضفدع کو حلت سے مستثنیٰ کر لیتے ہیں:

ان کے مقابلہ میں حنفیہ کے دلائل یہ ہیں:

1- "ويحرم عليهم الخبائث" علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی آیتِ قرآنی سے مسلکِ حنفیہ پر استدلال کیا ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ خبائث سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن سے طبیعتِ انسانی گھن کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانور ایسے ہیں جن سے طبیعت گھن کرتی ہے، لہٰذا سمک کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خبائث میں داخل ہوں گے۔

2- ﴿ حرمت عليكم الميتة ﴾ اس سے معلوم ہوگا کہ ہر میتۃ حرام ہے، سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیلِ شرعی سے ثابت ہو گئی ہو۔

3- ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ میں مشہور مرفوع روایت ہے:

"عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال احلت لنا ميتتان ودمان فاما الميتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالكبد والطحال (لفظه لابن ماجة : ٢٣٨ باب الكبد والطحال)

وقد اخرجه (الحافظ) في التلخيص الحبير مرفوعا و موقوفا وصحح الموقوف اخرجه من حديث زيد بن اسلم عن ابن عمر عند الشافعي واحمد وابن ماجة والدار قطني والبيهقي وابن عدي وابن مردويه في تفسيره ونقل تصحيح الموقوف من الدارقطني وابي زرعة وابي حاتم . (معارف السنن: ١ / ٢٥٧)

یہاں استدلال بعبارۃ النص ہے کیونکہ سیاقِ کلام حلت وحرمت کے بیان کے لیے ہوا اور تعارض کے وقت استدلال بعبارۃ النص راجح ہوتا ہے، کما تقرر فی اصول الفقہ، لہٰذا اس حدیث سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ میتہ یعنی وہ جانور جن میں دم سائل نہیں ہوتا، اس کی صرف دو قسمیں حلال ہیں، جراد اور حوت (یعنی مچھلی اور ٹڈی) چونکہ سمندر کے دوسرے جانور ان دو قسموں میں داخل نہیں، اس لیے وہ حرام ہیں۔

4- سب سے اہم بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں آپ سے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے ایک مرتبہ بھی سمک کے علاوہ کسی اور دریائی جانور کا کھایا جانا ثابت نہیں، اگر یہ جانور حلال ہوتے تو آپ ﷺ کبھی نہ کبھی بیانِ جواز کے لیے ہی سہی ضرور تناول فرماتے:" وإذ ليس فليس ."

رہا شافعیہ اور مالکیہ کا آیتِ قرآنی ﴿ احل لكم صيد البحر ﴾ سے استدلال سو اس کا جواب تو یہ ہے کہ اس سے خود شوافع کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ صید کو مصید کے معنی میں لیا جائے اور اضافت کو استغراق کے لیے لیا جائے، حالانکہ مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں لینا مجاز ہے، اور بلاضرورت مجاز کی طرف رجوع کی حاجت نہیں، اسی لیے احناف اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں لفظ صید اپنے حقیقی یعنی مصدری معنیٰ پر ہی محمول ہے اور سیاق بھی اس پر شاہد ہے، کیونکہ ذکر ان افعال کا چل رہا ہے جو محرم کے لیے جائز یا ناجائز ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں منشاء صرف یہ بتلانا ہے کہ سمندر میں شکار کرنا جائز ہے اس سے کھانے کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض یہاں پر صید مصید ہی کے معنی میں ہو تو بحر کی طرف اس کی اضافت استغراق کے لیے نہیں ہے، بلکہ عہدِ خارجی کے لیے ہوگی، لہٰذا ایک مخصوص شکار یعنی مچھلی مراد ہے جس کا حلال ہونا دوسرے دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے اور یہ ایسا ہی ہے

جیسے ﴿ حرم علیکم الصید البر ما دمتم حرما ﴾ میں اضافت بالاتفاق عہد کے لیے ہے۔

جہاں تک حدیثِ باب سے شوافع اور مالکیہ کے استدلال کا تعلق ہے سو اس کا ایک جواب تو وہی ہے کہ میتۃ میں اضافت استغراق کے لیے نہیں بلکہ عہدِ خارجی کے لیے ہے اور عہد اصل ہے لہٰذا اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہوا کہ سمندر کے وہ مخصوص میتے حلال ہیں جن کے بارے میں حلت کی نص آچکی ہے اور وہ "سمك" ہے۔

اس حدیث کا دوسرا جواب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ اگر اضافت کو استغراق کے لیے ہی مانا جائے تو الحل سے مراد یہاں حلال ہونا نہیں بلکہ ظاہر ہونا ہے اور لفظ حل کلام عرب میں بکثرت طاہر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ بخاری کی ایک مشہور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"حتی بلغنا سد الروحاء حلت فبنی بها الخ "الحدیث اخرجه البخاری فی صحیحه : ۱/۲۱۸ فی اخر کتاب البیوع عن انس بن مالك تحت باب هل یسافر بالجاریة قبل أن یستبرئها ."

اس حدیث میں لفظ "حلت" باتفاق "طہرت" کے معنی میں ہے، اسی طرح حدیثِ باب میں لفظ "حل" طہر کے معنی میں ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سلسلۂ کلام طہارت ہی سے چلا آرہا ہے، صحابہ کرام کو یہ شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہو جاتا ہے، اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا میتۃ طاہر رہتا ہے۔

شافعیہ و مالکیہ کا تیسرا استدلال حدیث العنبر سے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس حدیث کے اندر "فالقی البحر حوتاً میتاً" کے الفاظ آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری روایت میں دابہ سے مراد بھی حوت ہے۔ صحیح بخاری کی روایات میں "حوت" اور "دابہ" دونوں طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ (کتاب المغازی: ۲/ ۶۲۶)

سمک طافی:

یہاں دوسرا مسئلہ سمک طافی کی حلت و حرمت کا ہے، طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت مر کر الٹی ہوگئی ہو، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ ایسی مچھلی کو حلال کہتے ہیں، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کی حرمت کے قائل ہیں،

یہ ہی مسلک ہے حضرت علی، ابن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، ابراہیم نخعی، شعبی، طاؤس اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا ایک استدلال حدیث باب سے ہے کہ وہ ''الحل میتۃ'' سے غیر مذبوح مراد لیتے ہیں اور حدیث میں اس کی حلت کا حکم دیا گیا ہے ان کا دوسرا استدلال حدیثِ عنبر سے ہے کہ وہ صحابہ کرام کو مری ہوئی ملی تھی، اس کے باوجود وہ اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے، تیسرا استدلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہے جو سنن بیہقی اور دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (کمافی معارف السنن : ١/ ٢٥٧) اس اثر میں سمکِ طافی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

حنفیہ کا استدلال ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

”قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما القى البحر او جزر عنه فكلوه وما مات فيه وطفا فلا تأكلوه .“

(كتاب الاطعمه : ٢/ ٥٣٤ باب اكل سمك الطافى)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو سمندر نے باہر ڈال دیا یا جس سے پانی خشک ہو گیا اسکو کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر الٹی ہوگئی ہے اسکو مت کھاؤ۔

امام ابوداؤد نے یہ روایت مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح روایت کی ہے، پھر طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرفوع روایت بھی تمام تر ثقات سے مروی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اس لیے اس کو مرفوع ماننے میں کوئی اشکال نہیں اور اگر موقوف طریق کو ہی صحیح مانیں تب بھی چونکہ مسئلہ غیر مدرک بالقیاس ہے اس لیے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوگی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ ضعف کی وجہ ابن سلیم کا ضعف بیان کی ہے، (کما فی معارف السنن : ١/ ٢٦٠) حالانکہ ابن سلیم صحیحین کے راوی ہیں، لہٰذا ان کی یہ تضعیف درست نہیں، ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مرفوع کو اسماعیل بن امیہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے حالانکہ ان کو مغالطہ لگا ہے۔ یہ اسماعیل بن امیہ ابوالصلت نہیں جو ضعیف ہیں، بلکہ اسماعیل بن امیہ قرشی اموی ہیں، جو ثقہ ہیں مسلکِ حنفیہ کی تائید آیت

قرآنی ﴿ حرمت علیکم المیتة ﴾ سے بھی ہوتی ہے۔

شوافع کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ "الحل میتتہ" میں میتۃ سے مراد غیر مذبوح نہیں، بلکہ "ما لیس لہ نفس سائلۃ" ہے جیسا کہ "احلت لنا میتتان" میں میتۃ سے یہی مراد ہے اور حنفیہ کی مستدل مذکورہ بالا حدیث کی بناء پر اگر یوں کہا جائے کہ سمک طافی اس سے مستثنیٰ ہے، تب بھی کچھ بعید نہیں یا پھر بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ "الحل" سے مراد حلال نہیں بلکہ طاہر ہے۔

حدیث عنبر کا جواب یہ ہے کہ اس کے طافی ہونے کی تصریح نہیں ہے، طافی صرف اس مچھلی کو کہتے ہیں جو کسی خارجی سبب کے بغیر خود بخود سمندر میں مر جائے اور الٹی ہو جائے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی مچھلی کسی خارجی سبب کی وجہ سے مثلاً شدت حرارت یا شدت برودۃ سے یا تلاطم امواج سے یا کنارے پر پہنچ کر پانی کے دور چلے جانے کی وجہ سے مر جائے تو وہ طافی نہیں ہوتی اور اس کا کھانا حلال ہوتا ہے، حدیثِ عنبر میں بھی ظاہر یہی ہے کہ وہ مچھلی پانی کے چھوڑ کر چلے جانے کی بناء پر مری تھی، لہٰذا اس کی حلت محل نزاع نہیں۔

اب صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اثر رہ جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو اس میں شدید اضطراب ہے، دوسرے اگر بالفرض اسے سنداً صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی کا اجتہاد ہوسکتا ہے، جو حدیثِ مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں، تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں میتۃ مچھلی سے مراد وہی سمک مراد ہو جو اسبابِ خارجیہ کی بناء پر مری ہو۔

جھینگا کی حلت وحرمت:

تیسرا مسئلہ جھینگا کی حلت وحرمت کا ہے، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تو اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مدار اس بات پر ہے کہ وہ سمک ہے یا نہیں، یہ بات خاص طور سے علماءِ ہند کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، علامہ دمیری رحمہ اللہ نے "حیات الحیوان" میں اس کو سمک ہی کی ایک قسم قرار دیا ہے، اسی بناء پر بعض علماءِ ہند اس کی حلت کے قائل ہیں، جن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی داخل ہیں، چنانچہ انہوں نے "امداد الفتاویٰ" میں اس کی اجازت دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ حمادیہ اور بعض دوسرے فقہاء نے اسے سمک ماننے سے انکار کیا ہے۔

احقر نے علم الحیوان کے ماہرین سے اس کی تحقیق کی تو یہ سب اس بات پر متفق نظر آئے کہ

جھینگا، مچھلی نہیں ہے اور دونوں کے درمیان وہ نسبت ہے جو شیر اور بلی کے درمیان پائی جاتی ہے، مچھلی کی جو تعریف علم الحیوانات کی کتابوں میں مرقوم ہے، اس کی رو سے بھی جھینگا، مچھلی کے مصداق میں داخل نہیں ہوتا، وہ تعریف یہ ہے: ''وہ ریڑھ کی ہڈی والا جانور جو پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور گلپھڑوں سے سانس لیتا ہے'' اس میں جھینگا پہلی ہی قید سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں ریڑھ کی ہڈی نہیں ہوتی، بعض علماء حیوانات نے تو اسے کیڑے کی ایک قسم قرار دیا ہے، اس کے علاوہ عرفِ عام میں بھی اسے مچھلی نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اگر کسی شخص کو مچھلی لانے کا حکم دیا جائے اور وہ جھینگا لے آئے تو اسے صحیح تعمیل کرنے والا نہیں سمجھا جاتا، ان وجوہ کی بناء پر راجح یہی ہے کہ وہ مچھلی نہیں ہے، لہٰذا اسے کھانا درست نہیں، جہاں تک علامہ دمیری رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو وہ کوئی علم الحیوانات کے ماہر نہیں، بلکہ محض ناقل روایات ہیں اور انہوں نے حیات الحیوان میں ہر طرح کی رطب و یابس روایات جمع کر دی ہیں، اس لیے ان کا قول اس باب میں دوسرے ماہرین کے خلاف حجت نہیں، علاوہ ازیں جس مسئلہ میں حلت و حرمت کے ادلہ متعارض ہوں، وہاں جانبِ حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لیے اس کے کھانے سے پرہیز ہی لازم ہے۔

(درس ترمذی: ۱/۲۷۹)

وضاحت:

جھینگا کے متعلق حضرت استاذ محترم صاحب کی رائے شروع میں یہی تھی کہ اس کا کھانا مکروہِ تحریمی ہے، جیسا کہ اوپر کی تقریر سے واضح ہے لیکن چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھینگا حلال ہے، اسی طرح حنفیہ میں سے بہت سے علماء اس کی حلت کے قائل ہیں اس لیے بعد میں اس موقف میں نرمی اختیار فرمائی، چنانچہ جھینگا کھانا مکروہ تحریمی ہونے کے ایک فتویٰ پر تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احقر کے نزدیک جواب صحیح ہے، اگرچہ دوسرے علماء کی تحقیق اس کے برخلاف بھی ہے، اس لیے اس مسئلے میں بہت تشدد بھی مناسب نہیں، تاہم حلت و حرمت کے مسائل میں اگر ادلہ متعارض ہوں تو حرمت کی جانب کو ترجیح دینا بہر صورت اولیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم''

لہٰذا جو لوگ اس کو مچھلی سمجھ کر کھاتے ہیں ان پر لعن طعن کرنا، یا حرام خوری کا الزام دینا یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ جب کوئی مسئلہ ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہو تو اس میں کسی ایک

جانب تشدد کرنا درست نہیں جبکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ حلت کے قائل ہیں نیز فقہاء احناف بلکہ علماء ہند کے درمیان بھی مختلف فیہ ہے ہر دو فریق کے پاس دلائل موجود ہیں اور جولوگ استعمال کرتے ہیں ان کے لیے بھی یہی مشورہ ہے کہ تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اگر اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ رزق میں برکت نازل فرمائیں گے۔اس لیے جھینگا کے استعمال سے اجتناب کیا جائے یہی بہتر اور اولیٰ ہے۔

درندوں کی حرمت کا فلسفہ:

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کو حلال قرار دیا ہے، جبکہ دیگر بہت سارے جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، مثلاً: شیر، گیدڑ، کتا، بلی وغیرہ اس میں کیا فلسفہ ہے؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی چیز کے بارے میں حلت وحرمت کا اعتقاد کسی فلسفے کے تحت نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے ماننا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بارے میں حلت وحرمت کا حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں فرماتا۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سارے درندے جانور جن کی سرشت وفطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور حملہ سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے: ''اویأ کل احد'' یعنی کیا بھیڑیے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا، اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔'' (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں صفحہ 205 کتاب الاکل والشرب)

خرگوش حلال جانور ہے:

کسی جانور کے حرام ہونے کے لیے شریعت نے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، وہ خرگوش میں موجود نہیں، لہٰذا خرگوش کھانا حلال ہے، اس میں کسی شک وشبہ میں مبتلا ہونا درست نہیں۔

لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالیٰ: وحل غراب الزرع الذي يأكل الحب (واللارنب والعقعق).

(تنویر الابصار علی صدر ردالمحتار: ٦/٣٠٨ كتاب الذبائح)

چوری شدہ جانوروں کا حکم:

اگر کوئی کسی کا جانور چوری کر کے ذبح کر دے تو اگر چہ یہ فعل حرام ہے لیکن اس سے جانور حرام نہیں ہوگا کیونکہ حلال جانور کی حلت وحرمت کے احکام پر سرقہ اور غصب مؤثر نہیں ہوتے بشرطیکہ ذابح مسلمان ہواور ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تاہم سارق اور غاصب پر مالک کواس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله : غصب شاة وضحى بها ان اخذها مالكها وضمنه النقصان لا يقع عن الأضحية وإن ضمنه قيمتها حية وقعت عنها لا نها صارت ملكاً من وقت الغصب.

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية : ٦/ ٢٩١ كتاب الأضحية)

غیر فطری طور پر پیدا شدہ جانور کا حکم:

بعض نسل کے جانوروں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی نسل کشی کے لیے خنزیر کا مادہ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب یا بذریعہ جفتی استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے ایسی گائے کو جرمنی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے اب ایسی گائے کے گوشت کا کیا حکم ہوگا؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ حیوانات کی نسل ماں سے ثابت ہوتی ہے، نر کے مادۂ منویہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر حلال ہوگا۔ لہٰذا جرمنی گائے یا کوئی اور جانور جس کی ماں حلال جانور ہو تو اس کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة الكاساني : حتى إن البقرة الاهلية إذا نزعها ثور وحشي فولدت فإنه يجوز أن يضحى به وإن كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم يجز لإن الاصل في الولد الام لإنه ينفصل عن الام .

(بدائع الصنائع : ٥/ ٦٩ ، كتاب الذبائح)

مرداراور منخنقہ وغیرہ کا حکم:

حلال جانور کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ اپنی موت مرجائے یا گلہ گھونٹ کر ماردیا جائے یا پہاڑ وغیرہ اونچی جگہ سے گر کر مرجائے تو ایسی صورت میں اس جانور کا کھانا حرام ہوجاتا ہے۔

لقوله تعالىٰ : ﴿ حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما ذكيتم وما ذبح على النصب وأن تستقسموا بالازلام ذلكم فسق ﴾ (سورة المائدة : ۳)

''تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کے غیر اللہ کا نام ذبح کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے، لیکن جس کو تم ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ گوشت تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ (اور حرام) ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یہ سورۂ مائدہ کی تیسری آیت ہے جس میں بہت سے اصولی اور فروعی احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، پہلا مسئلہ حلال و حرام جانوروں کا ہے جن جانوروں کا گوشت انسان کے لیے مضر ہے، خواہ جسمانی طور پر کہ اس سے انسان کے بدن میں بیماری کا خطرہ ہے یا روحانی طور پر کہ اس سے انسان کے اخلاق اور قلبی کیفیات خراب ہونے کا خطرہ ہے ان کو قرآن نے خباثت قرار دیا ہے اور حرام کر دیا اور جن جانوروں میں کوئی جسمانی یا روحانی مضرت نہیں، ان کو طیب اور حلال قرار دیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حرام کیے گئے تم پر مردار جانور مراد سے مراد وہ جانور ہیں جو بغیر ذبح کے کسی بیماری کے سبب یا طبعی موت سے مر جائیں۔ ایسے مردار جانور کا گوشت ''طبی'' طور پر بھی انسان کے لیے سخت مضر ہے اور روحانی طور پر بھی۔

البتہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے دو چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ایک ''مچھلی'' دوسری ٹڈی۔ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیت میں ﴿ أو دما مسفوحا ﴾ فرما کر یہ بتلا دیا گیا کہ خون سے مراد بہنے والا خون ہے اس لیے جگر، تلی باوجود خون ہونے کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث مذکور میں جہاں ''میتة'' سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ اسی میں جگر اور طحال (کلیجی) کو خون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

تیسری چیز ﴿ لحم الخنزیر ﴾ ہے جس کو حرام فرمایا ہے۔ لحم سے مراد اس کا پورا بدن ہے جس میں چربی، پٹھے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے۔ پھر اگر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے اور یہ جانور باتفاق حرام کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔ یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر اور اگر بوقت ذبح نام تو اللہ کا لیا مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہوا اور اس کی رضامندی کے لیے قربانی کیا ہے تو جمہور فقہاء نے اس کو بھی ﴿ ما اهل به لغير الله به ﴾ کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

پانچویں منخنقہ: یعنی وہ جانور حرام ہے جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا خود ہی کسی جال میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو۔ اگر چہ منخنقہ اور موقوذۃ بھی میتہ کے اندر داخل ہیں مگر اہل جاہلیت ان کو جائز سمجھتے تھے اس لیے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔

چھٹے موقوذۃ: یعنی وہ جانور جو ضربِ شدید سے ہلاک ہوا ہو۔ جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو اور جو تیر کسی شکار کو اس طرح قتل کر دے کہ دھار کی طرف سے نہ لگے ویسے ہی ضرب سے مر جائے وہ بھی موقوذۃ میں داخل ہو کر حرام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات ''معراض'' تیر سے شکار کرتا ہوں، اگر شکار اس سے مر جائے تو کیا کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ جانور عرض تیر کی چوٹ سے مرا ہے تو وہ موقوذۃ میں داخل ہے اس کو مت کھا اور اگر دھار کی طرف سے لگا ہے اور اس نے زخم کر دیا ہے تو کھا سکتے ہو۔ یہ روایت جصاص نے ''احکام القرآن'' میں اپنی اسناد سے نقل کی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ تیر پھینکنے کے وقت بسم اللہ کہہ کر پھینکا گیا ہو۔

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک کیا گیا ہو اس کو بھی فقہاء نے موقوذۃ میں داخل اور حرام قرار دیا ہے۔ امام جصاص رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

المقتولة بالبندوقه تلك الموقوذة.

یعنی بندوق کے ذریعے جو جانور قتل کیا گیا ہے وہ ہی موقوذہ ہے اس لیے حرام ہے، امام اعظم

رحمہ اللہ، شافعی، مالک وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ (قرطبی)

ساتویں متردیہ: یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا اونچی عمارت یا کنویں وغیرہ میں گر کر مر جائے وہ بھی حرام ہے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شکار پہاڑ پر کھڑا ہے اور تم نے تیر بسم اللہ پڑھ کر اس پر پھینکا اور وہ تیر کی زد سے نیچے گر کر مر گیا تو اس کو نہ کھاؤ۔

کیونکہ اس میں بھی احتمال ہے کہ اس کی موت تیر کی زد سے نہ ہو گرنے کے صدمہ سے ہو تو وہ متردیہ میں داخل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی پرندہ پر تیر پھینکا۔ وہ پانی میں گر گیا تو اس کے کھانے کو بھی اسی بناء پر منع فرمایا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی موت ڈوبنے سے واقع ہوئی ہو۔ (جصاص)

آٹھویں نطیحہ: یعنی وہ جانور جو کسی ٹکر یا تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو۔ جیسے ریل موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے یا کسی دوسرے جانور کی ٹکر سے مر جائے۔

نویں وہ جانور جو کسی درندہ جانور نے پھاڑ دیا ہو اس سے مر گیا ہو۔

ان نو اقسام کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ایک استثناء ذکر کیا گیا فرمایا ﴿ إلا ما ذكيتم ﴾ یعنی اگر ان جانوروں میں سے تم نے کسی کو زندہ پالیا اور ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ استثناء شروع کی چار قسموں میں نہیں ہو سکتا کیونکہ میتہ اور دَم میں اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور ﴿ ما اهل لغير الله به ﴾ اپنی ذات سے حرام ہیں، ذبح کرنا نہ کرنا ان میں برابر ہے۔ اسی لیے حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، قتادہ وغیر سلف الصالحین کا اس پر اتفاق ہے یہ استثناء ابتدائی چار کے بعد، یعنی منخنقہ اور اس کے بعد سے متعلق ہے۔ اس لیے مطلب اس کا یہ ہو گیا کہ ان بقیہ تمام صورتوں میں اگر جانور زندہ پایا گیا، زندگی کی علامتیں محسوس کی گئی اور اسی حالت میں اس کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہے خواہ وہ منخنقہ ہو یا موقوذۃ یا متردیہ یا نطیحہ یا جس کو درندہ نے پھاڑ ڈالا ہے۔ ان میں سے جس کو بھی آثار زندگی محسوس کرتے ہوئے ذبح کر لیا وہ حلال ہو گیا۔

دسویں وہ جانور حرام ہے جو نصب پر ذبح کیا گیا ہو۔ نصب وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد کھڑے

کیے ہوئے تھے اور اہل جاہلیت ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کے پاس لاکر جانوروں کی قربانی ان کے لیے کرتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے۔ اہل جاہلیت ان سب قسموں کے جانوروں کو کھانے کے عادی تھے جو خبائث میں داخل ہیں قرآن کریم نے ان سب کو حرام قرار دیا۔

گیارہویں چیز جس کو اس آیت میں حرام قرار دیا ہے وہ استقسام بالازلام ہے۔ ازلام زلم کی جمع ہے۔ زلم اس تیر کو کہتے ہیں جو جاہلیت عرب میں اس کام کے لیے مقرر تھا کہ اس کے ذریعے قسمت آزمائی کی جاتی تھی اور یہ سات تیر تھے۔ جن میں سے ایک پر نعم اور ایک پر لا۔ اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ لکھے ہوتے تھے اور یہ تیر بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔

جب کسی شخص کو قسمت یا آئندہ کسی کام کا مفید ہونا یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو خادم کعبہ کے پاس جاتے اور سو روپے اس کو نذرانہ دیتے اور ان تیروں کو ترکش سے ایک ایک کر کے نکالتا۔ اگر اس پر نعم نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام مفید ہے اور اگر لا نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام نہ کرنا چاہیے۔ حرام جانوروں کے سلسلہ میں اس کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب کی یہ بھی عادت تھی کہ چند آدمی شریک ہو کر کوئی اونٹ وغیرہ ذبح کرتے مگر گوشت کی تقسیم ہر ایک کے حصہ شرکت کے مطابق کرنے کی بجائے ان جوئے کے تیروں سے کرتے تھے جس میں کوئی بالکل محروم رہتا کسی کو بہت زیادہ کسی کو حق سے کم ملتا تھا۔ اس لیے جانوروں کی حرمت کے ساتھ اس طریقہ کار کی حرمت کا بیان کر دیا گیا۔

علماء نے فرمایا کہ آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں خواہ اہل جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے استقسام بالازلام کے حکم میں ہیں۔

اور استقسام بالازلام کا لفظ کبھی قمار یعنی جوئے کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس میں قرعہ اندازی اور لاٹری کے طریقوں سے حقوق کی تعیین کی جاتی ہے یہ بھی بنص قرآن حرام ہے۔

جس کو قرآن نے میسر کے نام سے ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، مجاہد اور شعبی نے فرمایا ہے کہ جس طرح عرب ازلام کے ذریعہ حصے نکالتے تھے اسی طرح فارس وروم میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کے مہروں سے یہ کام لیا جاتا ہے وہ ازلام کے حکم میں ہیں۔

(مظہری)

استقسام بالازلام کی حرمت کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿ ذلکم فسق ﴾ یعنی یہ طریقہ قسمت معلوم کرنے یا حصے مقرر کرنے کا فسق اور گمراہی ہے۔ (معارف القرآن : ۳۱ / ۲۸ _ ۳۲)

باب اللباس

لباس کی حقیقت:

مرد کے بدن کا وہ حصہ جسے عربی زبان میں ''عورت'' اور اردو اور فارسی زبان میں ''ستر'' کہتے ہیں، چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے، وہ اعضائے مستورہ کو چھپانا ہے، یہ فریضہ ابتدائے آفرینش سے ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے، بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھانے کے سبب حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ان کا ستر کھل گیا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام نے ستر کھلا رکھنا جائز نہیں سمجھا اس لیے حضرت آدم اور حضرت حواء دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لیے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿ فطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة ﴾ (اعراف) دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الرسل ﷺ تک ہر پیغمبر کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے، اعضاءِ مستورہ کی تعیین اور تحدید میں تو اختلاف ہوسکتا ہے مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام انبیاء کی شرائع میں مسلمہ ہے اور یہ فرض ہر انسان مرد وعورت پر فی نفسہٖ عائد ہے کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

لباس کیسا ہو؟

لباس کے بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، چنانچہ شریعت نے کسی مخصوص لباس کی تعیین نہیں کی ہے اور نہ اس کی مخصوص ہیئت بتلا کر یہ کہا کہ ہر شخص کے لیے ایسا لباس پہننا ضروری ہے بلکہ ہر علاقہ اور ہر جگہ کے لوگوں کو موسم اور آب وہوا کے لحاظ سے لباس کے چناؤ میں آزادی دی گئی ہے اور وہ اس لیے ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے، لباس مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً: کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جا

سکتا ہے، البتہ اسلام نے کچھ اہم اور بنیادی اصول اور آداب لباس کے سلسلے میں بتائے ہیں ان آداب اور اصولوں کا لحاظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، ذیل میں ہم آداب اور اصولوں کو پہلے اجمالی طور پر بیان کر دیتے ہیں پھر ان کو قدرے وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان کریں گے۔ پھر اس کے بعد لباس کے متعلق مختلف اور متفرق مسائل کو الگ الگ عنوان کے ساتھ ذکر کریں گے۔

لباس کے اجمالی بنیادی اصول:

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ لباس کے متعلق کسی خاص وضع اور تراش کی شریعت نے پابندی نہیں لگائی، البتہ لباس کی حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے، پس جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا ورنہ خلافِ شرعی ہوگا، وہ حدود یہ ہیں:

1- لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضاء ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا واجب ہے، بلکہ لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہوتی ہو۔

2- لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔

3- جس لباس سے تکبر و تفاخر اور اسراف وتنعم مترشح ہوتا ہو اس سے اجتناب کریں۔

4- مال دار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔

5- اپنی مالی استطاعت سے زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔

6- مرد شلوار، تہبند اور پائجامہ وغیرہ اتنا نیچا نہ پہنیں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ اس میں چھپ جائے۔

7- مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

8- مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔

9- لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔

10- خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری دار ہو تو مضائقہ نہیں۔

لباس کے بنیادی اصول:

قرآن کریم اور ذخیرۂ احادیث میں تتبع و تلاش کے بعد، لباس کے متعلق جو بنیادی اصول

ملتے ہیں وہ لباس کی شرعی حدود ہیں، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے اور جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يا بني آدم قد أنزلنا عليكم لباسا يواري سواتكم وريشا ولباس التقوى ذلك خير ﴾ (سورة الأعراف : ٢٦)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ کا لباس تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔''

معلوم ہوا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو ستر کو اچھی طرح چھپائے اور اس سے قدرے زینت حاصل ہو۔

اسراف اور تکبر سے بچنا چاہیے:

لباس اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے، مالی استطاعت سے بڑھ کر فخر و نمائش اور تکلف کا اہتمام کرنا درست نہیں اور اس میں اسراف کرنا ناجائز ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

"كلوا والبسوا، وتصدقوا في غير اسراف ولا مخيلة، اي كبريا." (اخرجه البخاري في اللباس : ٤/٢٣)

جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، البتہ اسراف اور تکبر سے اجتناب کرو۔

"وقال ابن عباس رضي الله عنهما : كل ما شئت والبس ما شئت، ما اخطاتك اثنتان، سرف او مخيلة."

(انظر الاثر في صحيح البخاري : ٤/٢٣)

''جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے اجتناب کرو، ایک اسراف دوسرا تکبر۔''

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لیے جائز ہے، لیکن اس میں اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر نمائش کے لیے کپڑا پہنتا ہے اور جس کے پہننے سے تکبر پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا:

اسراف اور نمائش سے بچتے ہوئے اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا جائز ہے، یعنی ایسا لباس پہننا جس سے جسم کو راحت اور آرام حاصل ہو اور ساتھ ساتھ تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، مثلاً پتلا لباس پہن لے اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا یا دل کو خوش کرنے کے لیے زیبائش کا لباس پہن لے یا کوئی پسندیدہ قیمتی کپڑا پہن لے، ان سب میں وسعت اور گنجائش ہے اور یہ اسراف میں داخل نہیں ہیں۔

قال العلامة الصابوني حفظه الله تعالىٰ : ومما يوكد أن التزين والتجمل مطلوب ، وإنه ليس من الكبريا الذي نهى عنه الاسلام ، ما روي في الصحيح عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال : لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر ، قالوا يا رسول الله ! إن احدنا يحب أن يكون ثوبه حسنا ، ونعله حسنة قال إن الله جميل يحب الجمال ، الكبر بطر الحق ، اي عدم قبول الحق وغمط الناس ، اي احتقارهم وازدراهم . (أخرجه مسلم رقم ٩ في كتاب الإيمان)

چنانچہ علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ شرعی دائرہ میں رہ کر زیب وزینت حاصل کرنا یہ تکبر میں داخل نہیں، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ہم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو جوتا عمدہ ہو کیا یہ بھی کبر میں داخل ہے تو" آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتا ہے کبر یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھنا۔

ٹخنے چھپانا مطلقاً جائز نہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔"

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ " مرد کی زیر جامہ کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں

جائے گا۔" (صحیح بخاری کتاب اللباس)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے شلوار، پائے جامہ، پتلون، تہبند اور لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں گناہ ہے، حدیث کے مطابق اس پر دو وعیدیں ہیں، ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا، اس لیے اس گناہ بے لذت سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

تکبر نہ ہو تو تب بھی ٹخنے چھپانا حرام ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانا اس وقت ناجائز ہے جب کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہو اور اگر تکبر نہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "ازار کو ٹخنے کے نیچے نہ کرو" اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لیے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے اس لیے تم ان میں داخل نہیں۔"

(ابو داؤد، کتاب اللباس)

اس واقعہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر تکبر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

فقہاءِ کرام رحمہ اللہ کا صحیح قول:

اس سلسلہ میں رسول اللہ سے دو قسم کی روایات آئی ہیں، ایک وہ جن میں کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر وغیرہ کی کسی قید کے بغیر بھی ناجائز اور موجب عذاب بتلایا گیا ہے، دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے تکبر کے ساتھ لٹکانے کی حرمت آئی ہے، اس لیے بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں یوں تفصیل کی ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکائے تو مکروہ تحریمی ہے، اور تکبر کے بغیر لٹکائے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے کہ تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں کپڑے ٹخنوں سے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں تکبر کی وجہ سے ایسا کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا، ورنہ گناہ کم ہوگا اور اس سے تمام روایات کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری/ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ: ۱۰/ ۲۶۴ کتاب

اللباس، وامداد الفتاوی/حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: ۴/ ۱۱۹)

اور جہاں تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اجازت ملنے کا تعلق ہے تو اس پر دوسروں کو قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان کو جو اجازت دی گئی تھی وہ ایک مجبوری کی وجہ سے دی گئی تھی وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ ارادہ کے بغیر بھی بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، اس لیے ان کو بوجہ مجبوری اجازت دی گئی تھی۔

نیز تکبر کا متحقق ہونا ایک امر خفی اور پوشیدہ معاملہ ہے اور اس کا پتہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے، جب کہ بعض اوقات اس تکبر میں مبتلا شخص کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ تکبر کی حالت میں ہے، اس لیے اس سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنے سے اوپر کپڑا پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کر دی جائے:

قال الصابونی حفظه الله تعالیٰ :وينبغي ألّا يطيل الإنسان الثوب أو العباءة ، بحيث يجرهما على الارض ، فما زاد على الكعبين ، فإنه مكروه ، بل محرم إن كان على سبيل الخيلاء ، وجره على الارض كبرا ، يسبب مقت الله وغضبه ، فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم : " لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر ثوبه خيلاء " اي زهوا وتكبرا !

(أخرجه البخاری : ٤/ ٢٠٤ ، والترمذي رقم ١٧٣٠ في اللباس)

وقال صلى الله عليه وسلم : " ما أسفل من الكعبين من الإزار ، ففي النار ." أي صاحبه في النار .

(أخرجه البخاری فی كتاب اللباس)

وسمع أبوبكر رضي الله عنه الرسول صلى الله عليه وسلم يقول: " من جر ثوبه خيلاء ، لم ينظر الله إليه يوم القيامة ، فقال أبوبكر يا رسول الله : إن أحدي شقي إزاري يسترخي - أي يسقط أحيانا على الأرض - إلا أن أتعاهد ذلك منه !! فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم : لست ممن يصنعه خيلاء . (صحيح البخاری : ٤/ ٢٣)

فإذا سقط الرداء على الارض دون قصد ، فلا إثم فيه ، ولا

مؤاخذة عليه ، إنما الممنوع والمحرم ، أن يجره على الأرض تكبرا واستعلاء والكبرياء لله وحده ، كما جاء في الحديث القدسي : "العظمة إزاري ، والكبرياء ردائي ، فمن نازعني واحداً منهما قذفته في النار ."

(أخرجه مسلم رقم : ٢٦٢٠ و ابو داؤد رقم ٤٠٩٠ في اللباس)

مردوں کے لیے اصلی ریشم کا حکم:

مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

فقد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صعد المنبر ، وفي احدى يديه حرير ، وفي الاخرى ذهب ، ثم قال : إن هذين حرام على ذكور امتي . (أخرجه ابو داؤد رقم ٤٠٥٧ باسناد حسن)

یعنی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اس حال میں کہ ایک ایک دست مبارک میں ریشم تھا دوسرے میں سونا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

وفي رواية الترمذي عن ابي موسىٰ الاشعري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : حرم لباس الحرير والذهب على ذكور امتي وأحل لاناثهم . (أخرجه الترمذي رقم ١٧٢٠ في كتاب اللباس)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

لہٰذا خالص ریشم کا لباس جس طرح بھی ہے، ریشمی گدے پر بیٹھنا، یا ریشمی رومال استعمال کرنا، یا ریشمی تکیہ پر لیٹنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ عیش پرستی اور تکبر کی دلیل ہے۔

عورتوں کے لیے ریشمی لباس حلال ہے:

البتہ عورتوں کے لیے ریشمی لباس استعمال کرنا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کی روایات میں صراحت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے سونا اور ریشم دونوں حلال کیے گئے ہیں صرف مردوں پر حرام ہے، لہٰذا مردوں کو سونا اور ریشم کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہی حکم

چھوٹے بچوں کا بھی ہے کہ ان کے لیے بھی سونے چاندی کا استعمال حلال نہیں، ماں باپ اور عزیز واقارب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچوں کو سونے، چاندی کے زیورات وغیرہ استعمال نہ کروائیں۔

افضل لباس کونسا ہے؟

لباس وہ افضل ہے جو ستر کو زیادہ چھپائے، چونکہ شلوار، کرتا، (جبہ) زیادہ ساتر ہے اس لیے اس کو زیادہ پسند کیا گیا ہے نیز "لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے اور مردوں کے لیے سفید رنگ کا لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لیے کہ مردوں کے لیے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن دو۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے مردوں کے لیے سفید رنگ کا لباس پسند فرمایا، تاہم دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا بھی شرعاً جائز ہیں، چنانچہ بعض اوقات حضور اکرم ﷺ سے سفید رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ کے لباس پہننا بھی ثابت ہے۔ تاہم زیادہ تر آنحضرت ﷺ سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے، لہٰذا جو شخص اتباع کی نیت سے سفید لباس پہنے گا تو اس کو اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔

وفی فقه المعاملات قال: أفضل لباس الرجال: القمص والسراويل، والقميص هو: الثوب الذي يلبسه أهل الحجاز، وهو لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقد روي الترمذي في سننه، عن أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أنها قالت: "كان أحب الثياب إلى النبي صلى الله عليه وسلم القميص" أي الثوب الأبيض السابغ. والأفضل في الثياب أن تكون بيضاء، لأنها لباس أهل الجنة، وإشارة إلى صفاء العقيدة وبياض القلب، فالمؤمن طيب، وكلامه طيب، وعمله طيب، وقد أشار صلى الله عليه وسلم إلى اختيار الأبيض من اللباس فقال صلى الله عليه وسلم: "إلبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم، وكفنوا فيها موتاكم"

رواه الترمذي رقم (٩٩٤).

وفي رواية النسائي: "البسوا البياض، فإنها أطهر وأطيب، وكفنوا فيها موتاكم."

(رواه النسائي: ٨/٢٥، والحاكم في المستدرك: ٤/١٨٥)

خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں:

خالص سرخ لباس پہننا مرد کے لئے جائز نہیں، اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کیلئے جائز نہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ ہو جائے گا اور یہ تشبہ بھی ناجائز ہے۔

فقد روى البخاري رحمه الله: عن ابن عباس قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المخنثين من الرجال، والمترجلات من النساء. (أخرجه البخاري رقم: ٥٨٨٦)

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے۔

وفي رواية أخرى: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال.

والمخنثون: جمع مخنث، وهو من يتشبه من الرجال بالنساء في حركاته، وكلامه، وثيابه، ذلك لأن لكل من الرجل والمرأة، خصائص ومزايا خصه الله عزوجل بها، في شكله وهيئته، وكلامه، فالمرأة مفطورة على النعومة، واللطافة، والحياء، فإذا خلعت لباس الحياء، وتشبهت بالرجل في لباسها وهيئتها وكلامها، فقد خرجت عن أصل الفطرة؟ كما أن الرجل إذا تخنث فتشبه بالمرأة، فقد تخلى عن رجولته، وخالف نظام الفطرة فاستحق الخزي والعقوبة، وقد جاء في صحيح مسلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر

، یضربون بها الناس ، ونساء كاسيات عاريات ، مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة ـ أي يلففن شعورهن حتى تكون عالية مرتفعة كسنم الجمل . لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها ، وإن ريحها ليوجد من ميسرة كذا وكذا ." وفي رواية : " من ميسرة خمسمائة عام ." (مسلم رقم : ٢١٢٨)

وهذا الحديث من معجزاته صلى الله عليه وسلم حيث أخبر عن أمور غيبية ، حدثت كما أخبر عنها صلوات الله وسلامه عليه ، من وجود الظلمة ، وظهور التكشف والتعري بين النساء ، حيث فقد الحياء ، وأصبحت المرأة تلبس ملابس رقيقة ، لا تستر عورة ، وتتفنن في إغراء الرجال ، بأنواع الفتنة والإغراء ، من لبس الضيق ، وتقصير الثياب ، وكشف الذراعين والصدر ، وإبراز النهود ، وتصفيف شعر رأسها حتى يصبح عاليا كسنام الجمل ، وهو المرتفع فوق ظهره ، ولا حول ولا قوة إلا بالله !

مذکورہ بالاعبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پہ لعنت فرمائی جو حرکات، سکنات، لباس، پوشاک، چال چلن وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اسطرح ان عورتوں پہ بھی لعنت فرمایا جو کسی چیز میں مردوں کی مشابہت اختیار کرے، نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے انسان جہنمی ہیں۔ لیکن میں نے اپنے زمانہ میں ان کونہیں دیکھا (یعنی آئندہ زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے) کچھ لوگ ہونگے ان کے پاس گائے کی دم کی مانند کوڑے ہونگے ، اس سے لوگوں کو ماریں گے ، بعض عورتیں ایسی ہونگی جو بظاہر تو لباس پہنے ہوئے ہونگی (لیکن لباس شریعت کے مطابق نہ ہونگی وجہ سے) وہ ننگی ہی شمار ہونگی ان کی صفات یہ ہونگی کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور لوگوں کی طرف خود مائل ہونے والی ہونگی اور ان کے سروں کے بال بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہونگے ، ایسی عورتیں جنت میں داخل بھی نہیں ہونگی اور ان کو جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی جبکہ جنت کی خوشبو پانچ سو میل کے فاصلہ جنتی محسوس کریں گے ۔ (مسلم)

لہٰذا مردوں کو اپنی وضع مردانہ میں رکھنا چاہئے ، اور عورت کو اپنی وضع زنانہ رکھنا چاہئے ۔

مردوں کا لباس اور شکل وصورت میں زنانہ پن اختیار کرنا اور عورتوں کا مردانہ چال ڈھال اختیار کرنا جائز نہیں، باعث لعنت ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ نیز خالص سرخ لباس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سرخ دھاری دار لباس پہننا جائز ہے:

خالص سرخ لباس پہننا تو مردوں کیلئے جائز نہیں لیکن کسی اور رنگ کی آمیزش ہو تو وہ جائز ہے اسی طرح سرخ رنگ کے دھاری دار کپڑے پہننا بھی مردوں کیلئے جائز ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ سے سرخ دھاری دار جوڑے اور چادریں پہننا ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب اللباس)

مردوں کیلئے کس رنگ کا کپڑا ممنوع ہے:

عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی رنگ بعینہ عصفر یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفر یا زعفران کا رنگ نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، نفس عصفر وزعفران کے رنگ کے سوا باقی سب رنگ جائز ہے۔ البتہ احمر قانی میں اختلاف ہے، مختلف اقوال میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے، مگر ترجیح کراہت تنزیہیہ کے قول کو ہے البتہ سر پر پگڑی وغیرہ میں بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے۔

قال فی شرح التنویر : وکره لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال مفاده انه لا یکره للنساء ولا بأس بسائر الالوان وفي المجتبى والقهستاني وشرح النقاية لابی المكارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر اهـ . ومفاده ان الكراهة تنزيهية لكن صرح فی التحفة بالحرمة فافاد انها تحريمية وهي المحمل عند الاطلاق قاله المصنف قلت وللشرنبلالي فيه رسالة نقل فيها ثمانية اقوال منها انه مستحب.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله فافاد انها تحريمية الخ هذا مسلم لو لم يعارضه تصريح غيره بخلاف ففي جامع الفتاوى قال ابو حنيفة والشافعي ومالك رحمهم الله تعالىٰ يجوز لبس المعصفر وقال جماعة من العلماء مكروه بكراهة التنزيه وفي منتخب الفتاوىٰ قال صاحب الروضة يجوز للرجال والنساء

لبس الثوب الاحمر والاخضر بلا كراهة وفي الحاوي الزاهدي يكره للرجال لبس المعصفر والمزعفر والمورس والمحمراي الاحمر حريرا كان او غيره إذا كان فى صبغه دم والا فلا ونقله عن عدة كتب وفي مجمع الفتاوىٰ لبس الاحمر مكروه وعند البعض لا يكره وقيل يكره إذا صبغ بالاحمر القاني لانه خلط بالنجس ولو صبغ بقشر الجوز عسليا لا يكره لبسه ، اجماعا اهـ فهذه النقول مع ما ذكره عن المجتبي والقهستاني وشرح ابي المكارم تعارض القول بكراهة التحريم ان لم يدع التوفيق بحمل التحريم على المصبوغ بالنجس او نحو ذلك (قوله وللشرنبلالي فيه رسالة) سماها " تحفة الاكمل والهمام المصدر لبيان جواز لبس الاحمر " وقد ذكر فيها كثيرا من النقول منها ما قدمناه وقال لم نجد نصا قطعيا لا ثبات الحرمة ووجدنا النهي عن لبسه لعلة قامت بالفاعل من التشبه بالنساء او بالاعاجم او التكبر وبانتفاء العلة تزول الكراهة باخلاص النية لا ظهار نعمة الله تعالىٰ وعروض الكراهة للصبغ بالنجس تزول بغسله ووجدنا نص الامام الاعظم رحمه الله تعالىٰ على الجواز ودليلا قطعيا على الاباحة وهو اطلاق الامر باخذ الزينة ووجدنا فى الصحيحين موجبه وبه تنتفى الحرمة والكراهة بل يثبت الاستحباب اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم اهـ ومن اراد الزيادة على ذلك فعليه بها ، اقول ولكن جل الكتاب على الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والملتقي والذخيرة وغيرها وبه افتي العلامة قاسم وفي الحاوي الزاهدي ولا يكره فى الرأس اجماعا .

(ردالمحتار : ٢٢٨/٥) (احسن الفتاوىٰ : ٦٢/٨)

سیاہ رنگ کے کپڑے کا حکم:

مرد اور عورت کیلئے سیاہ کپڑا پہننے کا کیا حکم ہوگا جبکہ بعض لوگ اسکو نا پسند کرتے ہیں اور کہتے

ہیں چونکہ حضور ﷺ کی کالی کملی تھی اس لئے سیاہ کپڑا پہننا حضور ﷺ کی بے ادبی ہے۔ لیکن یاد رہے لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں، حضور ﷺ نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیال مذکور کی بناء پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع یا خلاف ادب ہو جائے گا۔ لہذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم ﷺ سے محبت اور جذبہ اتباع کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جو چیز آپ ﷺ کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے، البتہ لباس میں سیاہ رنگ چونکہ شرعاً، عقلاً، طبعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے سیاہ لباس نہیں پہننا چاہئے بالخصوص اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(ماخوذ از احسن الفتاوی ۸ / ٦٤)

پینٹ شرٹ پہننا:

پینٹ شرٹ پہننے کا رواج اور شیوع دنیا بھر میں اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ اب اس میں تشبہ (جو کہ شرعاً ممنوع ہے) کی شان مغلوب ہو گئی ہے، اس لئے اس کا پہننا حرام تو نہیں ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ پینٹ شرٹ صالحین کا لباس نہیں ہے بلکہ کافروں کا چلایا ہوا لباس ہے اور اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت ہو جاتی ہے اس لئے پینٹ شرٹ کا پہننا ناپسندیدہ ہے، حتی الامکان اس لباس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

یہ تفصیل اس لباس کے بارے میں ہے جس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو تو اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہو گیا ہے تو اس کا پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب حرام ہے جیسا کہ ننگے آدمی کو دیکھنا حرام ہے۔ اس لئے ایسے پتلون پہنے ہوئے شخص کے ستر کے حصہ کی طرف غور سے نہ دیکھا جائے نیز ان کو اعضاء کو چھپانے والے لباس اپنانے کی تلقین کی جائے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله ولا يضر التصاقه) اي بالالية مثلا وقوله وتشكله من عطف المسبب على السبب، عبارة شرح المنية اما لو كان غليظا لا يري منه لون البشرة الا انه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا فينبغي ان لا يمنع جواز الصلوة لحصول الستر اهـ قال ط وانظر هل يحرم

النظر الی ذلك المتشكل مطلقا او حيث وجدت الشهوة اهـ قلت سنتكلم على ذلك في كتاب الحظر والذي يظهر من كلامهم هناك هو الاول . (ردالمحتار : ١ / ٢٧٥)

وقال أيضاً : وعلى هذا لا يحل النظر الى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها فيحمل ما مر على ما إذا لم يصف حجمها فليتأمل . (ردالمحتار : ٥/٢٣٤)

طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کی پابندی:

بعض تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر میں ،طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کو یونیفارم کے طور پر اپنانے کی پابندی ہے،اور یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، تعلیمی ادارے اور دفاتر کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ یہ ضابطہ ہرگز نہ بنائیں ،طلباء اور ملازمین کو اس ناپسندیدہ لباس کے پہننے پر مجبور نہ کریں بلکہ شلوار قمیض جو قومی لباس ہے اور اسلامی اعتبار سے بھی یہ لباس صحیح ہے اس کو اپنانا چاہئے ۔لیکن اس کے باوجود اگر کسی کو تعلیم یا ملازمت وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے اس کو پہننا پڑے اور دل میں اس کو اچھا نہ جانے تو اس وقت بوجہ مجبوری اس کے پہننے کی گنجائش ہے۔لیکن یادر ہے اس وقت پتلون ایسا ڈھیلہ بنایا جائے کہ اعضاء کو اچھی طرح چھپائے ۔ نیز ٹخنے سے اوپر رہے ٹخنے سے نیچے لٹکانا اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

چاندی کے تاروالا کپڑا:

زری دار کپڑے جن کی بنائی میں چاندی کا تار استعمال ہوا اسکے استعمال کا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کیلئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زاید نہ ہو،لمبائی میں کوئی تحدید نہیں ،ایسی پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جواز میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو،اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالىٰ : يحرم لبس الحرير ولو

بحائل علی المذهب او فی الحرب علی الرجل لا المرأة الا قدر اربع اصابع مضمومة و كذا المنسوج بذهب يحل إذا كان هذا المقدار والا لا .

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو في عمامة كما بسط في القنية .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : تحت (قوله الا قدر اربع اصابع الخ) وهل المراد قدر الاربع اصابع طولا و عرضا بأن لا يزيد طول العلم وعرضه على ذلك او المراد عرضها فقط وان زاد طوله على طولها المتبادر من كلامهم الثاني ويفيد ايضا ما سيأتي في كلام الشارح عن الحاوي الزاهدي .

(قوله وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق) اي إلا إذا كان خط منه قزا وخط منه غيره بحيث يري كله قزا فلا يجوز كما سيذكره عن الحاوي ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزا و نسجاً إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه اربع اصابع وإن زادت بالجمع ما لم ير كله حريرا تأمل . (ردالمحتار : ٥/٢٢٤)

مصنوعی ریشم کا حکم:

سوال: آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں، جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہے اسی طرح جو رومال کندھے پر رکھنے کا معمول ہے اسکی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے۔ کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کر کے مردوں کیلئے اسکو حرام کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے اس لئے اسکا استعمال جائز ہے، اگر چہ عرف میں اسکو بھی ریشم کہتے ہیں ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا ثابت ہو جائے تو اسکا استعمال مردوں کیلئے نا جائز ہوگا بچنا لازم ہوگا۔

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں

کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بیٹھے یا ان کے ساتھ سفر کرے یہ امر فی نفسہ جائز ہے۔مگر اس زمانے میں قلوب میں فساد غالب ہے اور ٹی وی اور وی سی آر کی لعنت نے اخلاقی اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے باکی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آرہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔

مسنون لباس:

مسنون لباس کونسا ہے؟ اور کس لباس کو مسنون لباس کہا جائے گا۔اسکو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ سنت کسے کہتے ہیں؟

سنت کی تعریف:

فقہاء کرام نے سنت کی مشہور تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

الطريقة المسلوكة في الدين من غير وجوب ولا افتراض ، ومعنى الطريقة المسلوكة : ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم ولم يترك الا نادرا ، أو واظب عليه الصحابة رضي الله عنه كذلك ، كصلاة التراويح ، فإن تعلقت يتركها كراهة واساءة ، فهي سنة الهدى ، وتسمى سنة مؤكدة ايضا ، كالأذان والجماعة ، وسنن الراوتب ، كسنة الفجر والظهر والمغرب ...... وإن لم يتعلق بتركه كراهة او اساءة ، تسمى سنن الزوائد والغير المؤكدة ، فتارك المؤكدة يعاتب ، وتارك الزوائد لا يعاتب .

(ردالمحتار : ١٠٢/١ وكشاف اصطلاح الفنون ، والتعريفات للزمخشري ، والتعريفات الاصطلاحى ، والقاموس الفقهي ، مادة السنة)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "سنت" کہا جاتا ہے کہ فرض وواجب کے سوا وہ طریقہ جو دین میں رائج ہو، اور اس پر آپ کے بعد خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہو۔

سنت کی اقسام:

سنت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر کیا ہو، اس کو''سنت موکدہ'' یا''سنت ہدی'' کہا جاتا ہے، جیسے نماز با جماعت، اذان، اقامت، فجر، ظہر، مغرب وعشاء کی سنن رواتب، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو کرنے کی تاکید آئی ہے، اور اس کا چھوڑنا گمراہی اور قابل ملامت ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر نہ کیا ہو، بلکہ اپنی عادت مبارکہ کے طور پر وہ آپ سے صادر ہوئی ہو، وہ''سنت عادیہ'' ہے اور اسے''سنت زائدہ'' بھی کہا جاتا ہے جیسے اونٹ پر سواری کرنا، تہبند باندھنا، منقش یمنی شال استعمال کرنے کیلئے پسند کرنا، مخصوص وضع کا لباس پہننا، مخصوص انداز سے بیٹھنا، عمامہ باندھنا، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں، سنت عادیہ میں سے ہیں، جسے شرعی اصطلاح میں''سنت زائدہ'' بھی کہا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان چیزوں میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی مقصد ہو تو اس کے کرنے میں ثواب ہے، اور اگر ان چیزوں میں اتباع کی نیت نہ ہو، تو یہ اعمال فی نفسہٖ مباح کے درجہ میں ہیں، اور بلانیت اتباع سنت (مستحب) کا ثواب نہیں ملے گا، اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت بھی نہیں۔

سنت کی تعریف اور اس کی اقسام واضح ہوجانے کے بعد، اب یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا لباس کیسا تھا، تاکہ لباس مسنون کے تعین میں آسانی ہوسکے۔

آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا

جبہ، کرتا، قمیص، عمامہ، ٹوپی اور لنگی پہننا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ اور شلوار کا خریدنا بھی احادیث سے ثابت ہے، بعض روایات میں پہننا بھی مذکور ہے۔ (نشر الطیب)

تاہم قمیص آپ ﷺ کو بہت پسند تھی، اور آپ ﷺ جو قمیص مبارکہ زیب تن فرماتے تھے، اس کے چند اوصاف درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا پیرہن مبارکہ سوتی اور تنگ دامن وآستین والا ہوتا تھا، اور آپ کی قمیص مبارک میں گھنڈیاں لگی ہوتی تھیں اور قمیص مبارک میں سینہ پر گریبان تھا اور یہی قمیص کی سنت ہے۔ (مدارج النبوۃ)

(۲) ملا علی قاریؒ نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا کرتہ (قمیص) سوت کا بنا

ہوتا تھا، جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اسکی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی، مناوی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا کرتہ (قمیض) ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ پنڈلی تک ہوتا تھا (شمائل ترمذی)

(۳) حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضور کی قمیض کی آستین ہاتھ کے گٹے تک ہوتی تھی۔

(شمائل ترمذی)

(٤) حضور اکرم ﷺ کی قمیص کی آستین نہ اتنی تنگ تھی نہ اتنی کشادہ تھی، بلکہ درمیانی تھی اور آستین ہاتھ کے گٹے تک ہوتی تھی اور چوغہ وغیرہ پنچے تک، مگر انگلیوں سے متجاوز نہ ہوتا تھا۔

(٥) حضور ﷺ کی قمیض کا گریبان سینہ پر ہوتا تھا، کبھی آپ اپنی قمیص کا گریبان کھول لیا کرتے تھے، اور سینہ اطہر صاف نظر آتا تھا، اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

لہذا حضور اکرم ﷺ کی جیسی اور جس وضع کی قمیض تھی ویسی ہی وضع اتباع کی نیت سے پہننا موجب ثواب ہے، اور چونکہ یہ سنت عادیہ میں سے ہے، اسلئے اتباع کی نیت کے بغیر پہننے سے ثواب نہیں ملے گا، اور نہ پہننے پر کوئی کراہت وملامت بھی نہیں۔ (ردالمحتار:۱/۱۰۳)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : اقول : فلا فرق بين النفل وسنن الزائد من حيث الحكم لانه لا يكره ترك كل منهما، وإنما الفرق كون الاول من العبادات والثاني من العادات، لكن اورد عليه أن الفرق بين العبادة والعادة هو النية المتضمنة الاخلاص كما في الكافي وغيره، وجميع افعاله صلى الله عليه وسلم مشتملة عليها كما بين في محله . (ردالمحتار : ١/١٠٣، باب الوضوء)

شرعی لباس:

قرآن وحدیث کی رو سے شرعی لباس کے جو بنیادی اصول اوپر بیان کیے گئے ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے جو بھی لباس اختیار کیا جائے گا وہ شرعی لباس ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کے طرز پر ہوگا، اس لیے اس لباس کو بھی ''لباس مسنون'' کہا جائے گا اور اس کے پہننے سے سنت کا ثواب ملے گا۔

لباس شرعی کے بیان کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ کے طرز پر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالکل ویسا ہی لباس ہو جو حضور ﷺ کا تھا، بلکہ جس لباس کی حضور ﷺ سے اجازت ہو، وہ بھی حضور ہی کا طرز ہے اور جو اس پر ہو وہ بھی حضور ﷺ ہی کے طرز پر ہے۔'' (تسهيل المواعظ: وعظ نمبر ١٣ صفحه ٣٠٥)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''لباس مسنون یعنی آنحضرت ﷺ کا لباس ہمیشہ کے لیے کوئی مقرر نہ تھا، بلکہ مختلف حالات، صیف وشتا اور سفر وحضر اور دیگر طبعی اقتضاءات کی وجہ سے مختلف اقسام اور الوان منقول ہیں، لباس سادہ ہو، زیادہ تکلف نہ ہو، وضع ایسی ہو کہ جو مسلمانوں کے امتیاز کو باقی رکھے، دوسرے اہل مذاہب کی وضع نہ ہو جیسا کہ کتب حدیث وشمائل کے تتبع سے ثابت ہے ان امور مذکورہ کی رعایت رکھتے ہوئے پھر عام طرز عمل آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ لباس کی فکر میں نہ رہتے تھے، وقت پر جیسا میسر ہو گیا خواہ عمدہ ہو یا معمولی اسی کو استعمال فرمالیا۔''

كما في زاد المعاد صـ ٣٦ جلد اول، والصواب أن افضل الطريق طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم التي سنها وامربها ورغب فيها ودوام عليها وهي أن هديه فى اللباس، أن يلبس ما تسير من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والكتان تارة.

(إمداد المفتين: صـ ٩٧٦ باب اللباس)

سونے کا بٹن استعمال کرنا:

مردوں کے لیے خالص سونے کا بٹن استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں مردوں کے لیے خالص سونے کا استعمال حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اسی طرح حضرات فقہاءِ کرام رحمہ اللہ نے بھی اس کے ناجائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(ملاحظه هو امداد الفتاویٰ: ١٢٩/٤)

(ولا يتحلى) الرجل (بذهب وفضة مطلقا الا بخاتم ومنطقه وحليه سيف منها) اي الفضة إذا لم يرد به التزين.

(ردالمحتار باب اللباس: ٣٥٨/٦)

بٹن کھلا رکھنا جائز ہے:

اصل طریقہ تو یہی ہے کہ کرتہ اور قمیض وغیرہ کا بٹن بند رکھا جائے تاہم گرمی یا کسی اور وجہ سے کبھی کبھار کھلا رکھے تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ کبھی کبھار قمیص کا بٹن کھلا رکھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ (شمائل ترمذی، وفتاوی رشیدیہ: صفحہ ۴۸۰)

گریبان ایک طرف رکھنا خلاف سنت ہے:

گریبان گلے کے نیچے سینہ کے درمیان میں رکھنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر رکھا جاتا ہے، اس سے ہٹ کر سینہ کے ایک طرف رکھنا جیسا کہ بعض لوگ اس طرح رکھتے ہیں، یہ خلافِ سنت ہے۔

کل لباس یکون علی خلاف السنة یکون لبسه مکروها وهو مثل اثواب الکفار واثواب الفسق والفجور واهل الاشر والبطر مثل القرطق واسبال الازار وتطویل الکم وتوسیعه والجیب علی الجانب الاعلی للصدر ونحوه.

(النتف فی الفتاوی کتاب الالبسه: ۱/۱۶۲)

ٹوپی اسلامی لباس کا شعار ہے:

عمامہ جسے اردو میں پگڑی اور قلنسوۃ جسے اردو میں ٹوپی کہتے ہیں، یہ دونوں قسم کے لباس خود آنحضرت ﷺ سے پہننا ثابت ہیں اور صحابہ کرامؓ نے بھی دونوں کا استعمال فرمایا ہے، ان حضرات سے لیکر آج تک ہر زمانے میں علماء کرام اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے، جس پر بے شمار دلائل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، لہٰذا عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا مسنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے، جس کا درجہ مستحب کا ہے، اور یہ لباس کی سنت ہے۔

ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں:

نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی، عمامہ یا ٹوپی پہننا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا معمول تھا، آج تک دیندار مسلمانوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے، اسی لئے سر پر ٹوپی یا عمامہ استعمال کرنا اسلامی لباس کا شعار ہے، اور یہی اسلامی تہذیب ہے، اس کے برخلاف عام حالات میں ننگے سر رہنا ناپسندیدہ اور خلاف ادب ہے، اور یہ انگریزوں کی تہذیب ہے جو اسلامی تہذیب کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا فساق اور مغربی تہذیب کی نقالی اور انگریزی تہذیب کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب کو

اختیار کرنا چاہئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سر اور بدن کا وہ حصہ جو ستر میں داخل نہیں ہے، اس بارے میں باشرع اور باتہذیب نیک لوگوں کا معمول اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اس کو چھپائے رکھتے ہیں، اسلئے سر کو یا بدن کے ایسے حصے کو لوگوں کے سامنے کھولنا مکروہ ہے۔'' (غنية الطالبين ١ :١٣)

اور علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

''عقلمند پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے سر کھلا رکھنا ناپسندیدہ ہے جسے بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور یہ ادب، مروت اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے، شریعت میں صرف احرام حج میں سر کھلا رکھنے کا حکم ہے، جس کا مقصد تعبد ہے یعنی اللہ تعالی کے سامنے اپنی نیاز مندی اور اپنی بندگی کا اظہار۔'' (فتاوی رحیمیه ٣ /٢٢٤ ، وفتاوی رشیدیة)

ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا:

ٹوپی اور پگڑی کے استعمال میں نماز اور خارج نماز کا کوئی فرق نہیں ہے، دونوں جگہ حکم برابر ہے، البتہ نماز ایک نہایت باعظمت فریضہ ہے، نماز کیلئے لباس میں زینت اور تجمل اختیار کرنے کے بارے میں کتب حدیث اور فقہ میں بہت سی ترغیب وارد ہوئی ہے، حضرات مفسرینؒ اور فقہاء کرامؒ نے نماز کیلئے تزین اور تجمل کو مستحب لکھا ہے، اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو افضل فرمایا ہے، تاہم اگر کوئی شخص کبھی اتفاق سے بغیر ٹوپی نماز پڑھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بنانا مکروہ ہے، اور اگر (نعوذ باللہ) نماز کی توہین کرنے کے ارادہ سے ٹوپی اتار کر نماز پڑھتا ہے تو یہ کفر ہے، آج کل جو لوگ ننگے سر رہتے ہیں اور ننگے سر نماز پڑھتے ہیں ان کا یہ فعل بلاشبہ مکروہ ہے اور اسلامی شعار کے خلاف ہے، جس سے ان کو بچنا چاہئے۔ (ردالمحتار:۱/۶۴۱)

علامہ محمد زاہد کوثریؒ نے لکھا ہے کہ بغیر عذر ننگے سر نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ننگے سر نماز پڑھنا نصاریٰ کی عادت ہے۔ (مقالات کوثری صفحہ ۱۷۲) جب کہ نصاریٰ کے تشبہ سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ احادیث میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے سے سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (ترمذی :۲/ ۹) اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ستر راس کا حکم اگرچہ فی نفسہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے، لیکن سر کھلا رکھنے کی صورت میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کا اندیشہ ہے، اس

لحاظ سے ستر راس کا معاملہ نسبتاً زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

بہرحال نماز ہو یا خارج نماز ہو، ستر راس کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے اور یہ اسلامی لباس کا شعار ہے، حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، تابعین عظام اور پوری امت کے علماء وصلحاء کا عمل اس کے مطابق چلتا آرہا ہے، لہٰذا ٹوپی یا عمامہ پہننے کو اپنے لیے باعث عار سمجھنے کے بجائے اس کے پہننے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم:

نماز ایک باعظمت فریضہ ہے اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ پاک صاف لباس پہن کر اور صاف ستھری ٹوپی سے سر ڈھک کر ادا کرنا چاہیے، ایسے خراب یا گھٹیا درجہ کے یا میلے کچیلے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، جنہیں پہن کر آدمی بڑوں سے ملنے کے لیے جانے میں عار محسوس کرے، لہٰذا ہر نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ صاف ستھری ٹوپی رکھے اور نماز میں اس کو استعمال کرے، پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی استعمال نہ کرے، کیونکہ ایسی ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، مسجد کی انتظامیہ کو بھی چاہیے کہ وہ پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں نہ رکھے اور نہ ایسی ٹوپیاں رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرے اور اگر رکھنا بھی چاہے تو کپڑوں کی صاف ستھری ٹوپیاں رکھی جائیں اور انتظام وسلیقے کے ساتھ رکھی جائیں اور جب کبھی اتفاق سے کسی نمازی کے پاس اپنی ٹوپی نہ ہو اور سر ڈھکنے کے لیے اس کے پاس کوئی بڑا رومال وغیرہ بھی نہ ہو تو ایسی مجبوری کے وقت ننگے سر نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مسجد میں موجود ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لے، لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ (ردالمحتار : ۱/ ۴۳)

وصلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة اي خدمة إن له غيرها والا لا ، بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة الخدمة والابتذال ، قال في البحر وفسرها في شرح الوقاية لما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الاكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية اهـ .

(ردالمحتار : ۱/ ٦٤١ مكروهات الصلاة)

ٹوپی کی کونسی قسم سنت ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ کے مطابق ٹوپی مدور، گول ہونی چاہیے، اور بعض روایات میں

حضور ﷺ کے پاس تین طرح کی ٹوپیاں ہونا ثابت ہیں ایک قسم وہ تھی جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی تھی، دوسری قسم وہ تھی جو سر سے کسی قدر اونچی ہوتی تھی، جب کہ تیسری قسم کی ٹوپی مذکورہ دونوں قسم کی ٹوپیوں سے نسبتاً زیادہ بڑی اور کشادہ ہوتی تھی کہ کان بھی اس سے ڈھک جاتے تھے۔

(كتاب الوسيلة للموصلي : ٦/١١٦)

لہٰذا اس طرح کی ہر قسم کی ٹوپی پہننا بلا شبہ درست ہے اور ہمارے یہاں جو ٹوپیاں مروج ہیں، ان سب سے سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ لباس کے مطابق ٹوپی بھی عمدہ استعمال کرنی چاہیے۔

قراقلی کی ٹوپی پہننا جائز ہے:

قراقلی کی ٹوپی کی جتنی اقسام ہمارے یہاں رائج ہیں، ان سب کا استعمال جائز ہے اور ان سے ٹوپی پہننے کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

قراقلی کی ٹوپی بنانے کے سلسلے میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی حلال جانور کی کھال ہو یا حرام جانور کو حلال طریقے سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت، کھال اور اس کے جسم کے دیگر سارے اجزاء پاک ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو وہ بھی پاک سمجھا جائے گا اور اگر زندہ بچہ نکلا تو شرعی طریقے سے ذبح کرنے کے بعد وہ بھی پاک ہو جائے گا، ان تمام صورتوں میں اس جانور یا اس کے بچے کی کھال سے قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے اور مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس سے بھی قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے، البتہ زندہ جانور (مثلاً بھیڑ وغیرہ) کو ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے اس کا پیٹ چاک کرنا جس سے اس کو تکلیف ہو یا وہ مر جائے یا اس کو اور کسی طرح کی اذیت پہنچانا تاکہ اس کے پیٹ کا بچہ نکال کر اس کی کھال استعمال میں لائی جائے یہ ہرگز جائز نہیں، بہت بڑا گناہ ہے، جو ایسا کرے گا وہ سخت گناہ گار ہوگا، اس لیے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے، البتہ بھیڑ کو ذبح کرنے کے بعد پیٹ چاک کرنا یا ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے پیٹ چاک کرنا کہ بھیڑ کو تکلیف محسوس ہی نہ ہو، اس میں گناہ نہیں اور اس کی کھال سے ٹوپی بنانا اور استعمال کرنا درست ہے۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں بھیڑ کی نسل کشی ہے یا بھیڑ سے انتفاع کا جو ایک عام طریقہ کھانے کا ہے اس کی مخالفت ہے ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ ٹوپی بنانا اور کوئی لباس بنانا یہ بھی بذاتِ خود ایک قسم کا انتفاع ہے۔

لبس الصوف والشعر سنة الانبياء عليهم السلام لانه آية التواضع

(فتاوىٰ هندية : ٥١/٣٣٣ كتاب اللباس)

وفيه ايضاً : عن ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ : لا باس بلبس القلنسوه الثعالب كذا فى المبسوط وكان على ابى حنيفة رحمه الله سنجاب وعلى الضحاك قلنسوة سمور كذا فى الغياثية .

(عالمگيرية : ٥١/٣٣٣)

عمامہ لباس کی سنت ہے:

عمامہ باندھنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، اس لیے عمامہ باندھنا مسنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے، جس کا درجہ مستحب کا ہے اور یہ لباس کی سنت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے عمامہ باندھے تو بلاشبہ موجبِ ثواب ہے اور اگر کوئی نہ باندھے تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے عمامہ باندھنے پر مواظبت (دائمی طور پر) ثابت نہیں ہے، چنانچہ صاحب ''زادالمعاد'' فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی استعمال فرمائی اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ استعمال فرمایا اور کبھی خود یعنی جنگی ٹوپی استعمال فرمائی، الغرض جس موقع پر جو مناسب سمجھا گیا وہی استعمال فرمایا۔

(ملاحظہ ہو: زاد المعاد : ١/٣٦ وتاريخ الخميس : ٢/١٩٠)

قال العلامة الصابوني حفظه الله : من سنن الإسلام لبس العمامة ، وهي من شعائر الدين ، ومن هدي سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم ، فقد كان صلى الله عليه وسلم يلبس العمامة ، ويعتم بها في السلم والحرب ، وكذلك أصحابه الكرام ، كان لهم عمائم يتوجون بها رؤسهم ، اقتداء بهدي سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم ، ويكره للمسلم أن يبقي مكشوف الرأس .

فقد روي مسلم عن جابر رضي الله عنه : " أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل يوم فتح وعليه عمامة سوداء . "

(أخرجه مسلم رقم : ١٣٥٨ باب جواز دخول مكة بغير إحرام ،

والترمذي رقم: ١٧٣٥)

یعنی رسول اللہ ﷺ حالت جنگ اور امن دونوں حالات میں عمامہ باندھا کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

وروىٰ أيضاً عن عمرو بن حريث رضي الله عنه أنه قال: "كأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة سوداء، قد أرخى طرفها بين كتفيه." (أخرجه مسلم رقم: ١٣٥٩)

وروى الترمذي عن ركانة أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم: إن فرق ما بيننا وبين المشركين: العمائم على القلانس.

(أخرجه الترمذي: ١٧٨٤ وقال حدث حسن غريب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے

أي العلامة الفارقة التي تميز بين المسلم والمشرك، هي **العمامة**، فهي شعائر أهل الإسلام، وأهل العلم والدين.

فهذا هدي النبي صلى الله عليه وسلم، وتوجيه للأمة، أن يتميزوا عن الكفار، بلبس العمائم التي هي تيجان العرب، وهي مظهر عزتهم وكرامتهم، وهي إحدى شعائر الإسلام الجليلة.

ولقد تأسىٰ أصحاب الرسول صلى الله عليه وسلم بهدي النبي الكريم، فكانوا يقتدون به في أقواله، وأفعاله، ولباسه، وحركاته، وسكناته، فيلبسون العمائم، واشتهر ذلك عنهم، حتى صار جزاء من حياتهم، وشعائرهم الدينية!

فهذا سيدنا عبد الله بن عمر، أشد الناس تمسكا بهدي الرسول صلى الله عليه وسلم الذي قال عنه نافع: لو رأيت ابن عمر يتتبع آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم، لقلت: إن هذا لمجنون. يروي لنا

عنه مسلم في صحيحه هذه القصة ، وهذا الحديث ، فيقول بسنده عن عبد الله بن دينار : إن رجلا من الأعراب ، لقي ابن عمر بطريق مكة ، فسلم عليه عبد الله بن عمر ، وحمله على حمار كان يركبه ، وأعطاه عمامة كانت على رأسه ، فقال له أصحابه : غفر الله لك ، أعطيت هذا الأعرابي حمارا كنت تروح عليه ـ أي تركبه لراحتك ـ وعمامة تشد بها رأسك ، وإنهم الأعراب يرضون باليسير !!

فقال ابن عمر : إن أبا هذا كان ودا ـ أي صديقا ـ لعمر بن الخطاب ، وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : إن من أبر البر ـ اي أفضل فعل الخير ـ صلة الرجل أهل ود أبيه ، وإن أباه كان صديقا لعمر . (أخرجه مسلم في كتاب البر رقم : ٢٥٥٢)

هذه سيرة الصحابة ، وهذا تأسيهم برسول الله صلى الله عليه وسلم في هيئتهم ولباسهم ، ما كانوا يتركون شيئا فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا فعلوه ، امتزج حب الرسول صلى الله عليه وسلم بقلوبهم ، وسرى حب التأسي به في دمائهم ، لذلك وجدنا ابن عمر ، يهدي عمامته لذلك الأعرابي ، لأن أباه كان صديقاً لعمر بن الخطاب رضي الله عنه .

فأين نحن في هذا الزمان من أناس ، زهدوا في هدي سيد المرسلين ، فتركوا العمائم ، بل عدها البعض من البدع ، مع أنها شعار أهل الإسلام ؟ وقد ذكرنا فيما سبق حديث الترمذي الذي يقول فيه صلى الله عليه وسلم : إن فرق ما بيننا وبين المشركين ، العمائم على القلانس .

(أخرجه الترمذي : رقم ١٧٨٣ وقال حديث حسن)

قال في حاشية ملتقي الأبحر : العمامة سنة نبوية شريفة ، غفل عنها الكثير من الناس ، بل زهدوا حتى في تغطية الرأس ، بما ليس من

شعار الكفرة ، وقد قال الشيخ علي القاري : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما صلى حاسر الرأس ، إلا في إحرامه ، ومن هنا ذهب الفقهاء إلى كراهة الصلاة حاسر الرأس ، إلا أن يكون تذللا لله تعالى ! وقد كان صلى الله عليه وسلم إذا اعتم يسدل عمامته بين كتفيه ، كما رواه الترمذي .

فكيف يصلي بعض أهل العلم حاسري الرأس ، وهم يعلمون أن الكفار يصلون حاسري الرؤس ، وقد قال صلى الله عليه وسلم : من تشبه بقوم فهو منهم . (أبو داؤد في سننه رقم : ٤٠٣١)

ولابن تيمية رحمه الله في كتابه القيم : " اقتضاء الصراط المستقيم " كلام . (فقه المعاملات)

عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ:

عمامہ یعنی پگڑی باندھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو سر پر گول پیچ دار باندھے اور پورے سر کو اس سے ڈھانپے ،صرف سر کے اردگرد عمامہ لپیٹنا اور سر کے درمیان کو ننگا چھوڑنا مکروہ ہے ،البتہ ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھنے کی صورت میں سر کے درمیان کا پگڑی سے ڈھانپنا ضروری نہیں اور نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔

بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا:

مگر بیان جواز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا۔ سلف صالحین اور بزرگانِ دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس لیے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلافِ اولیٰ ہے ،مکروہ نہیں ،نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

محراب بنا کر عمامہ باندھنا:

عمامہ باندھنے میں سامنے پیشانی پر محراب بنانے کا ذکر کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا ،البتہ علماء وصلحاء کو پیشانی پر محراب بناتے دیکھا ہے ،لہٰذا محراب بنا کر عمامہ باندھنا سنت تو نہیں ہے لیکن اگر بنا لی جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

عمامہ کے کپڑے کی مقدار:

صحیح روایات سے عمامہ کی کوئی خاص مقدار متعین ہونا ثابت نہیں ہے اس لیے ہر شخص اپنی حیثیت سے جتنا مناسب سمجھے عمامہ باندھ سکتا ہے، البتہ نہ زیادہ لمبا ہونا چاہیے اور نہ ہی بہت چھوٹا بلکہ درمیانہ عمامہ ہونا چاہیے۔

وفي اللباس والزينة في الشريعة الإسلامية : المطلب الثاني : قدر العمامة لقد كانت عمامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسطا لا كبيرة ولا صغيرة ، وأنه لم يثبت في طولها وعرضها شيء ، فينبغي التوسط فيها اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم .

وقال القسطلاني في المواهب اللدنية : لم تكن عمامته صلى الله عليه وسلم بالكبيرة التي تؤذي حاملها ، ولا بالصغيرة التي تقصر عن وقاية الرأس من الحر والبرد ، بل وسطا بين ذلك......

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمامہ نہ اتنا طویل تھا کہ اٹھانے والے کو اٹھانے میں تکلیف ہو نہ اتنا مختصر تھا کہ سر کو سردی وگرمی سے نہ بچا سکے، بلکہ درمیانہ درجہ کا تھا۔

وقال السيوطي في (الحاوي في الفتاوىٰ) وأما مقدار العمامة الشريفة فلم يثبت في حديث وقد روي البيهقي في شعب الإيمان ...... سألت ابن عمر كيف كان النبي صلى الله عليه وسلم يعتم ؟ قال : كان يريد العمامة على رأسه ويقورها من ورائه ، ويرسل ذوائبه بين كتفيه ، وهذا يدل على أنها عدة أذرع ، وذكر عن النووي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان له عمامة قصيرة ستة أذرع ، وعمامة طويلة اثنا عشر ذراعاً .

وقال الحافظ في فتاويه : لا يحضرني في طول عمامة النبي صلى الله عليه وسلم قدر محدود ، وقد سئل عنه الحافظ عبد الغني النابلسي ، فلم يذكر شيئا ، قال ابن حجر المكي : لم يتحدد في

طولها و عرضها شيء .

وأما ما ذكره الطبراني من أن طولها سبعة أذرع ، وما جاء عن عائشة رضي الله عنها أنها سبعة في عرض ذراع ، وأنها كانت في السفر بيضاء ، وفي الحضر سوداء من صوف ، وأن عذبتها في السفر من غيرها ، وفي الحضر منها (لا أصل له) وفي تصحيح المصابيح لابن الجزري تتبعت الكتب لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف على شيء .

ومن هنا يتبين لنا أنه لم يثبت في قدر عمامته صلى الله عليه وسلم حديث يصح الاعتماد عليه . (صـ ٢٦١)

رومال سے عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی:

اوپر کے مسئلہ میں ذکر کردہ تفصیل کی رو سے چونکہ عمامہ کی سنت ادا ہونے کے لیے کپڑے کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے، لہٰذا ناچیز کے خیال میں رومال سے عمامہ باندھنے سے بھی عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

عمامہ میں شملہ کی مقدار:

پگڑی کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے اور شملہ کا اتنا لمبا ہونا کہ بیٹھنے کی حالت میں کمر سے متجاوز ہو درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیریہ : ٥/٣٣)

وفي رواية عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال عمم رسول الله صلى الله عليه وسلم ابن عوف بعمامة سوداء كرابيس وارخاها من خلفه قدر اربع اصابع وقال هكذا فاعتم .

(عمدة القاري : ٢١/٣٠٧)

شملہ کس جانب رکھا جائے؟

آنحضرت ﷺ سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں اور حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ پگڑی کا شملہ پیٹھ کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل اور مستحب ہے اور

دائیں طرف رکھنا بھی جائز ہے، البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے ناجائز اور بدعت کہا ہے۔

(الوفاء لابن الجوزی : صـ ٥٦٧، وضیاء القلوب : صـ ١٥٣)

تاہم اگر کوئی اپنی عادت یا سہولت کی وجہ سے سنت سمجھے بغیر شملہ بائیں جانب چھوڑ دے تو یہ بہر حال ناجائز نہ ہوگا۔

عمامہ میں دو شملے رکھنا:

آنحضرت ﷺ کے عمامہ کے تذکرے میں دو شملے اور ایک شملہ دونوں کا احادیث سے ثبوت ملتا ہے، لہٰذا پگڑی میں ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست ہے۔

(خلاصة الفتاوی : ٣/١٥٣)

قال الحافظ ابن قیم رحمه الله : عن عمرو بن حریث قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخیٰ طرفیها بین کتفیه . (زاد المعاد : ١/١٣٥)

عمامہ کس رنگ کا ہونا چاہیے؟

پہلے یہ بات ہو چکی ہے کہ عمامہ لباس کی سنت ہے اور عمامہ جس رنگ کا بھی ہو اس سے نفس عمامہ کی سنت ادا ہو جاتی ہے، کسی خاص رنگ کی پابندی شرعاً ضروری نہیں، بلکہ خود عمامہ بھی ضروری نہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، بہر حال عمامہ سیاہ رنگ کا ہو یا سفید رنگ کا ہر طرح درست ہے، کیونکہ احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کالا عمامہ باندھنا بھی ثابت ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا، نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا اور رسالہ " ضیاء القلوب فی لباس المحبوب " میں لکھا ہے حضور ﷺ سے سفید عمامہ بھی ثابت ہے، نیز حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو سفید لباس محبوب تھا اور آپ نے سفید لباس پہننے کی ترغیب بھی دی ہے، لہٰذا سفید عمامہ باندھنا افضل ہے۔

نیلا اور سبز عمامہ ثابت نہیں:

ذخیرۂ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود، حضور ﷺ سے نیلے اور سبز عمامہ باندھنے کا کوئی

ثبوت نہیں ملا، البتہ ایک روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سبز پگڑی باندھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

" عن سليمان ابن ابي عبد الله قال ادركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم كرابيس سود وبيض وحمر وخضر وصفر ."

(مصنف ابن ابي شيبة : ٨ / ٢٤١)

اور جہاں تک سبز پگڑی باندھنے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو ایسے رنگ کی پگڑی باندھنا فی نفسہٖ جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی سنت اہل بدعت کی علامت بن جائے تو اس کو بھی ترک کرنا اولیٰ ہے کجا یہ کہ کوئی چیز سنت بھی نہ ہو اور اہل بدعت کا شعار بن جائے اور چونکہ آج کل سبز پگڑی باندھنا بعض اہل بدعت کی علامت اور شناخت بن چکا ہے اس لیے اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

" كل سنة تكون شعار أهل البدعة تركها اولى ."

(مرقاة شرح مشكوة : ٤ / ١٦٧)

في ردالمحتار : ١ / ٦٤٢ " (قوله تركها أولى) إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة ."

"جو سنت اہل بدعت کی پہچان اور ان کا شعار بن جائے، اسے چھوڑ دینا بہتر ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی عمل سنت و بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو فعل بدعت پر ترکِ سنت راجح ہے۔"

نماز میں عمامہ کا حکم:

نماز میں عمامہ اور بغیر عمامہ کے ثواب میں فرق ہوگا یا نہیں؟ اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ جن علاقوں میں عمامہ کے بغیر لباس کو نامکمل سمجھا جاتا ہے اور بغیر عمامہ گھر سے باہر نکلنا اور بڑوں کے مجمع میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، وہاں بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان علاقوں کے اعتبار سے عمامہ کے بغیر لباس نامکمل ہے اور نامکمل لباس (جو صرف گھروں کے اندر استعمال کیا جاتا ہے) میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

" وتكره صلاته في ثياب البذلة يلبسها في بيته ."

(ردالمحتار : ۱/ ٦٤٠ ، امداد الفتاوی : ۱/۲٥٦)

اور چونکہ عمامہ باندھنا سنتِ زائدہ ہے جس کا درجہ مستحب کا ہے، لہٰذا اگر اتباعِ سنت کی نیت سے باندھے تو موجبِ ثواب ہے، لیکن اس کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بغیر عمامہ کے پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ ہے اور ذخیرۂ احادیث میں تلاش کرنے کے باوجود ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں بغیر عمامہ نماز پڑھنے کی بہ نسبت ثواب زیادہ ہے، ہاں بعض ایسی موضوع یعنی بناوٹی احادیث ملتی ہیں جن میں عمامہ والی نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن وہ احادیث باتفاق محدثین موضوع ہونے کی وجہ سے قابلِ رد اور غیر معتبر ہیں۔

(ملاحظه هو الموضوعات الكبرى لملا علي القاري : صـ ۲۳۲ ، الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة : صـ ۱۸۷ ، وتذكرة الموضوعات : صـ ١٥٥ ، والمصنوع في معرفة الحديث الموضوع : صـ ۸۷)

(نوٹ) عمامہ کے مسائل میں مفتی کمال الدین صاحب کا رسالہ "لباس کے احکام" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

پردہ کے احکام

مرد کے ستر:

ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کے حصے کو چھپا کر رکھنا فرض ہے، بلا ضرورتِ شدیدہ دوسروں کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے، اگر کسی نے بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہوئے ستر کھول لیا تو اس کے ستر کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، ہاں بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت کھولنے کی اجازت ہے، مثلاً اندرونی حصہ میں کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی کہ اس حصہ کے معاینہ کے بغیر مرض کی تشخیص مشکل ہو تو ایسی ضرورت کے وقت معاینہ کرنا جائز ہے یا ختنہ کی ضرورت ہے یا ولادت کے وقت دائیہ کا نظر پڑنا وغیرہ، ضرورت کے وقت بھی پوری کوشش رہے کہ کم سے کم کھولا اور دیکھا جائے۔

لقوله عليه السلام : " لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل ، ولا تنظر

المرأة إلى عورة المرأة ، ولا يفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد.

أي لا يجلس مكشوف العورة مع الرجل يسترهما ثوب واحد . ولا تفضي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد .

(أخرجه مسلم رقم : ٢٣٨ باب تحريم النظر الى العورة)

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو مرد ننگے ہونے کی حالت میں ایک کپڑے میں نہ سوئیں اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ سوئیں۔

وروي الترمذي عن بهز بن حكيم عن جده ، قال : قلت يا نبي الله : " عوراتنا ما نأتي منها وما نذر ؟ ـ أي ماذا نظهر منها وماذا نستر ؟

فقال صلى الله عليه وسلم : إحفظ عورتك ، إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك !!

قلت يا رسول الله : إذا كان القوم بعضهم في بعض ؟ ـ أي مختلطين في مجلس واحد ـ قال : إن استطعت ألا يراها أحد فلا يراها !!

قال : قلت يا نبي الله : إذا كان أحدنا خاليا ؟ قال : فالله أحق أن يستحي الناس منه .

(أخرجه الترمذي في كتاب الأدب : رقم ٢٧٩٤ ، وقال حديث حسن)

حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کو کس حد تک کھول سکتے ہیں؟ کتنا چھپانا فرض ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر و اس کو چھپاؤ، البتہ اپنی بیوی اور مملوکہ باندی کے سامنے، میں نے عرض کیا کہ اگر لوگ ایک مجلس میں گھل مل کر بیٹھے ہوئے ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ مکمل کوشش کرے کہ کوئی اپنا ستر نہ کھولے دوسرے کا ستر نہ دیکھے۔

پھر میں نے عرض کیا، اگر کوئی تنہائی میں بیٹھا ہوا اس وقت ستر کھول سکتا ہے؟ تو آپ نے

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرمایا جائے، یعنی تنہائی میں بھی ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔

کھیل کود کے وقت ستر کھولنا:

اکثر کھلاڑی کھیل کے وقت صرف چڈی پہنتے ہیں اسی طرح پہلوان کشتی کے وقت ران پوری کھلی رکھتے ہیں تو یاد رہے کہ اس وقت بھی ران کو کھلا رکھنا حرام ہے، اور ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔

لقول النبي صلى الله عليه وسلم : لجرهد الاسلمي وقد مربه وهو كاشف عن فخذه قال : غط فخذك فانها من العورة .

(أخرجه الترمذي رقم : ٢٧٩٨ وقال هذا حديث حسن)

جناب رسول اللہ ﷺ کا جرہد اسلمی رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا اس حال میں کہ ان کا ستر کھولا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ران کو چھپالو کیونکہ یہ ستر میں داخل ہے۔

وقال صلى الله عليه وسلم لعلي رضي الله عنه : يا علي لا تبرز فخذك ، وفي رواية اخرى لا تبرز فخذك ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت . (أخرجه ابو داود في الجنائز رقم : ٣١٤٠)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا اے علی! اپنی ران کسی کے سامنے ظاہر مت کرو، دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کی طرف مت دیکھو۔

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں:

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں اتنا ہی ہے جتنا مرد کا ستر دوسرے مردوں کے سامنے، یعنی کسی عورت کے لیے دوسری عورتوں کے سامنے، ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ کھولنا یا اس کی طرف دیکھنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

﴿ يبني ء ادم لا يفتننكم الشيطن كما أخرج أبويكم من الجنة ينزع عنهما لباسهما ليريهما سوء تهما ﴾ أي ليريهما العورات التي أمر الله بسترها ، وحرم كشفها أمام أحد من الناس .

(سورۃ الأعراف : آیت ۲۷)

اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرادیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان (کے بدن) سے اتروادیا تا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے۔ (معارف القرآن)

شیطان کی ابتداء آفرینش سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان کو ننگا کر کے بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کردے، مردوں کا ستر کھلا رکھنا عورتوں کا بے پردہ ہونا، یہ شیطانی وساوس کا نتیجہ ہے، جبکہ شیطان انسان کا سخت دشمن اس طرح بھلا پھسلا کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے جہنم کے گڑھے میں گرانا چاہتا ہے، اس لیے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ بے پردگی اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرے اور شیطان کے ہاتھ میں کھلونا نہ بنے۔

محارم کی تعریف:

قد عرف الفقهاء المحرم ، بأنه من لا تجوز المناكحة بينه و بينها على التأبيد والاستمرار . سواء كان بسبب النسب او الرضاع ، أو المصاهرة . (فقه المعاملات)

یعنی محرم ہر وہ شخص ہے جس سے زندگی میں کسی بھی مرحلہ میں نکاح کرنا حلال نہ ہو۔ نسبی رشتہ داری کی وجہ، یا رضاعت کی وجہ سے یا حرمت مصاہرت سے

عورت کا ستر محارم کے سامنے:

عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے محرم مردوں کے سامنے مواضع زینت سر، سینہ، چہرہ، اسی طرح بازو پنڈلی وغیرہ کھلا رکھے تاہم جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں احتیاط کرنا چاہیے۔

لقوله تعالىٰ : ﴿ ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو اباء بعولتهن أو ابنائهن أو ابناء بعولتهن أو اخوانهن أو بنى أخوانهن أو بنى أخواتهن ﴾ (سورة النور : آیت ۳۱)

''اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر۔''

محارم وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض نہیں ہے:

۱۔شوہر ۲۔باپ ۳۔دادا ۴۔پردادا ۵۔بیٹا ۶۔پوتا ۷۔پڑپوتا
۸۔نواسہ،پڑنواسہ ۹۔چچا(حقیقی،علاتی،اخیافی) ۱۰۔بھائی(تینوں قسم کے)
۱۱۔بھتیجے(تینوں قسم کے بھائیوں کے بلاواسطہ یابالواسطہ)
۱۲۔بھانجے(تینوں قسم کی بہنوں کے بلاواسطہ یابالواسطہ)
۱۳۔ماموں(تینوں قسم کے) ۱۴۔نانا ۱۵۔پڑنانا ۱۶۔سسر
۱۷۔داماد ۱۸۔شوہر کے بیٹے ۱۹۔رضاعی باپ
۲۰۔رضاعی بیٹا ۲۱۔رضاعی بھائی ۲۲۔رضاعی چاچا
۲۳۔رضاعی ماموں وغیرہ

وہ رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے:

جس طرح اجنبی مردوں سے پردہ فرض ہے،اسی طرح بہت سے رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا فرض ہے،جن کی فہرست یہ ہے:

۱۔چچازاد ۲۔پھوپھی زاد ۳۔ماموں زاد ۴۔خالہ زاد
۵۔دیور ۶۔جیٹھ ۷۔نندوئی ۸۔بہنوئی
۹۔پھوپھا ۱۰۔خالو ۱۱۔شوہر کا بھتیجا ۱۲۔شوہر کا بھانجا
۱۳۔شوہر کا چچا ۱۴۔شوہر کا ماموں ۱۵۔شوہر کا پھوپھا ۱۶۔شوہر کا خالو

عورت کا ستر نماز میں:

نماز کی حالت میں عورت کے ذمہ لازم ہے کہ صرف چہرہ،ہتھیلیاں اور دونوں قدموں کے علاوہ پورے جسم کو چھپائے،ان تین اعضاء کے علاوہ اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

وللحرة ولو خنثى جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد . (ردالمحتار ،مطلب في ستر العورة)

یعنی آزاد عورت کا ستر نماز میں پورا جسم ہے،یہاں تک سر کے لٹے ہوئے بال بھی صحیح روایت

کے مطابق البتہ چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں۔ ظاہر ہوا کہ ہتھیلی بھی ستر میں داخل ہے، بلکہ قدمین کو بھی بعض حضرات نے ستر میں داخل فرمایا ہے۔

عورت کا حجاب غیر محرم کے سامنے:

اگر عورت کو کسی ضرورت سے غیر محرم کے سامنے آنا پڑے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ چہرہ سمیت پورے جسم کو برقع یا موٹی چادر میں چھپا کر آئے، غیر محرم کے سامنے بلا ضرورتِ شدیدہ جسم کے کسی حصہ کو کھولنا جائز نہیں۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وإن امن الشهوة لانه اغلظ .

(ردالمحتار : ۹۷/۲ دارالمعرفة ، بيروت)

چہرے کا پردہ:

﴿ يايها النبي قل لأزواجك وبنتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ (سورة الأحزاب)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دیگر مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے (کہ جب ضرورت پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کے) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا کر (چہروں کے) قریب کر لیا کریں۔ اس سے جلد پہچان لی جائیں گی تو ان کو ایذا نہ دی جائے گی۔''

تشریح:

اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بیبیوں اور صاحبزادیوں کے ساتھ دیگر مسلمان عورتوں کو بھی پورے بدن اور چہرے کو ڈھانپ کر نکلنے کا حکم فرمایا گیا۔ اس سے باطل دعوے کرنے والوں کی خام خیالی کی واضح تردید ہوگئی کہ پردے کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھا۔

دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہوئی، وہ یہ ہے کہ پردے کے لیے چہرے پر چادر لٹکانے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس سے ان تجدد پسندوں کے دعوے کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرے چھپا کر نکلنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے بلکہ مولویوں نے ایجاد کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ

اس آیت سے کس طرح انحراف کی صورت نکالتے ہیں...؟

تیسری چیز جو اس آیت سے واضح ہوئی کہ پردے کے لیے جلباب استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عربی زبان میں "جلباب" بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جیسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی ہیں۔ قرآن شریف نے آیتِ بالا میں حکم فرمایا ہے کہ عورتیں جس طرح جلباب کو اعضائے جسم پر اور پہنے ہوئے کپڑے پر لپٹتی ہیں، اسی طرح چہرے پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں جبکہ عورتوں میں چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقے میں ابھی تک قائم ہے اور برقعہ اسی جلباب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ برقعہ کی نسبت یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں، سراسر جہالت ہے۔ برقعہ کا ثبوت تو ارشاد باری تعالیٰ ﴿یدنین علیھن من جلابیبھن﴾ آیۃ سے ثابت ہے، البتہ فیشنی برقعوں کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ بجائے پردہ کے بدنگاہی کا سبب بن گئے ہیں۔

عورت کے چہرے کو پردے کے حکم سے خارج کرنے کی غلط خیالی بعض دیندار قسم کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ دراصل ان لوگوں کو نماز کے مسائل سے واقفیت نہیں کیونکہ نماز کی کتابوں میں مذکور ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھ (گٹھوں تک) اور دونوں پاؤں (ٹخنوں تک) چھوڑ کر عورت کا باقی تمام بدن ستر میں داخل ہے۔

نماز میں اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلے رہے تو نماز ہو جائے گی باقی تمام بدن ڈھانپنا فرض ہے۔ یہ مسئلہ شرائطِ نماز کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اگر پردے کے سلسلے میں بیان کیا جاتا تو ان لوگوں کا استدلال کچھ جاندار ہوتا۔ منہ کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر منہ کھولے ہوئے آنے کا ثبوت پکڑنا بڑی بددیانتی اور خود فریبی ہے بلکہ قرآن وحدیث کے صریح حکم کے خلاف اپنی رائے زنی ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ چہرہ چھپانا ضروری ہونے کے لیے سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت کے ہوتے ہوئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان فاسد الخیال لوگوں کی تشفی کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ جہاں سے ان لوگوں کو فریب ملا ہے وہیں سے ان کی تردید پیش کر دیں۔

درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ کفین (ہتھیلیاں) اور قدمین (پاؤں) ڈھانکنا صحتِ نماز کے لیے ضروری نہیں ہے۔ وہیں یہ بھی درج ہے کہ:

تمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة . (درمختار على هامش ردالمحتار : صـ ٢٨٤)

''اور جوان عورت کو (نامحرم) مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا (اور یہ روکنا) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس لیے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔''

شیخ ابن ہمام ''زادالفقیر'' میں شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" وفي الفتاوىٰ الصحيح إن المعتبر في فساد الصلوٰة إنكشاف ما فوق الأذنين وتحتهما ."

''فتاویٰ کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں کے اوپر کا حصہ یعنی بال اور سر کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی اور غیر مردوں کے لیے کانوں کے اوپر کے حصے اور کانوں کے نیچے کے حصے یعنی چہرہ وغیرہ کے دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔''

اسی طرح صاحب درمختار ان چیزوں کی فہرست بتاتے ہوئے جن کی وجہ سے شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اپنے بیوی کو سزا دے۔ باب التعزیر میں لکھتے ہیں:

أو كشفت وجهها لغير محرم أو كلمته أو شتمته أو أعطت مالم تجر العادة بلا أذنه . (ردالمحتار : ۱۹۰/۳)

''(شوہر اپنی بیوی کو سزا دے گا) اگر وہ اپنے چہرے کو غیر محرم کے سامنے کھولے یا غیر محرم سے بات کرے یا اس کو گالی دے یا اس کی بلا اجازت اس کے مال میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز دے دے جو عادتاً بلا اجازت نہیں دی جاتی۔''

اس عبارت سے واضح ہوا کہ فقہاء کے نزدیک غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور مزید یہ معلوم ہوا کہ غیر محرم سے بات کرنے پر بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

افسوس صد افسوس! کہ بے پردہ ہو کر غیر محرم کے سامنے آنے یا اس سے بات کرنے پر بیویوں کو سزا دینے کا کام جن کے سپرد کیا گیا تھا، آج وہی بے پردگی کو پسند کرتے ہیں اور برسر بازار بے پردہ ہو کر عورتوں کے نکلنے کو ہنر و کمال جانتے ہیں۔

پھر چہرہ تو مجمع المحاسن ہے اور اصل جاذبیت اور کشش چہرے ہی میں ہے۔ اگر چہرہ، پردے

سے خارج ہو جائے تو مقصد پردہ یعنی عصمت وعفت کی حفاظت خطرے میں پڑ جائے گی۔ چہرہ صرف مجمع المحاسن ہی نہیں بلکہ مجمع الفتن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نظر کی حفاظت کی الگ الگ خطاب کے ذریعے تعلیم دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكىٰ لهم ﴾ (سورة النور)

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔'' اسی طرح عورتوں کو حکم ہے۔ فرمایا:

﴿ وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها ﴾ (سورة النور)

''اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع کو) ظاہر نہ کریں مگر جوان سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کو ہر وقت چھپانے میں حرج ہے)''

ان آیات میں مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور نامحرم عورتوں پر نظر نہ ڈالیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بدنظری کو آنکھ کا زنا بتایا گیا ہے۔ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر لذتِ نفس کے لیے نظر ڈالی تو اس نے آنکھ کا زنا کیا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی مرد کو لذتِ نفس کے لیے دیکھا تو اس نے بھی زنا کیا۔ تو بد نظری کا فتنہ عام طور پر چہرے کے حسن کو دیکھ کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے دل مائل ہوتا ہے جس سے دوسری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسم کے بقیہ اعضاء کی طرح چہرے کو چھپانا بھی ضروری ہے۔ اس کو غیر محرم کے سامنے بلاضرورتِ شدیدہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔

بہرحال عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ خواتین کو غیر محرم کے سامنے چہرے کا کوئی حصہ کھولنے سے مکمل اجتناب کرنا ضروری ہے۔ پورا چہرہ کھولنا یا چہرے کا بعض حصہ کھولنا یا نقاب اس طرح باندھنا کہ آنکھوں کی پٹی کے ساتھ چہرے کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے جس سے چہرہ کی رنگ

ظاہر ہو، حسن کا پتہ چلے یہ مزاج شریعت اور انسانی غیرت کے خلاف ہے، اس لیے خواتین بھی اس کا اہتمام کریں اور مرد حضرات کو بھی چاہیے کہ اپنی خواتین سے چہرے کا پردہ کروائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام خواتین کو دین اور پردے کے احکام سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر قسم کے فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نوٹ یہ مضمون رسالہ ''شرعی پردہ'' سے معمولی رد و بدل اور اضافہ ترمیم کے ساتھ ماخوذ ہے۔

غیر محرم کو ہاتھ لگانا:

عورت یا مرد کے ستر کے جس حصہ کو دیکھنا جائز نہیں اس کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں۔

وما يباح النظر للرجل من الرجل يباح المس كذا في الهداية .

(هندية كتاب الكراهية : ٥/٤٠٤)

وفيه أيضا قال : وما حل النظر إليه حل مسه ونظره وغمزه من غير حائل ولكن انما يباح النظر إذا كان يامن على نفسه الشهوة فاما إذا كان يخاف على نفسه الشهوة فلا يحل له النظر ، وكذالك المس انما يباح له إذا امن على نفسه وعليها الشهوة .

(هندية : ٥/٤٠٥ كراهيه)

اجنبی عورت سے مصافحہ کی ممانعت:

بلا کسی شدید مجبوری کے غیر محرم عور کو ہاتھ لگانا شرعاً بڑا گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہاتھ کا زنا قرار دیا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ

" واليدان تزنيان وزناهما البطش "

یعنی ہاتھوں کا بھی زنا ہے، ہاتھوں کا زنا یہ ہے کہ (اجنبی مرد و عورت کا) ایک دوسرے کو پکڑنا۔

قوله عليه السلام : أن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له . (رواه الطبراني والبيهقي)

''اپنے سر میں سوئی گھونپنا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔''

رسول اللہ ﷺ خود بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر کوئی عورت خود درخواست

کرتی تب بھی آپ ﷺ صاف انکار فرما دیتے تھے، چنانچہ روایت میں ہے:

اخبرنا مالك اخبرنا محمد بن المنكدر عن اميمة بنت رقيقة انها قالت اتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في نسوة فتبايعه قلنا يا رسول الله نبايعك على أن لا نشرك بالله شيئاً ولا نسرق ولا نقتل اولادنا ولا ناتي ببهتان نفتريه بين ايدينا وارجلنا ولا نعصيك في معروف قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما استطعتن واطقتن قلنا الله ورسوله ارحم منا بانفسنا هلم نبايعك يا رسول الله قال انى لا اصافح النساء وإنما قولى لمائة امرأة كقولى لامرأة واحدة أو مثل قولى لامرأة واحدة.

(مؤطا إمام محمد، باب ما يكره من مصافحة النساء)

''امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان بہت سی عورتوں کے ساتھ حاضر ہوئی جو آپ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، پنی طرف سے کسی پر بہتان نہ باندھیں گے، معروف (یعنی احکامِ شرع) میں نافرمانی نہ کریں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قدر تمہارے اندر استطاعت اور قدرت ہو۔ ہم نے کہا اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ ہم پر خود سے زیادہ شفیق ہیں۔ یا رسول اللہ! اپنے دستِ مبارک ہماری طرف بڑھایئے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں میرا سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت کو کہنے کی طرح یا ایک عورت کو کہنے کی مانند ہے۔ (مؤطا امام محمد)

لہٰذا امت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، مثلاً: چچی، ممانی، چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالوزاد، پھوپھا وغیرہ یعنی ایسا رشتہ جن سے پردہ کرنا فرض ہے ان سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔

ساس سے مصافحہ خطرہ کی گھنٹی:

جب کسی عورت سے شادی ہو جائے تو اس کی ماں اپنی ماں کی طرح ہوتی ہے حرمت میں اس

سے مصافحہ وغیرہ کرنا شرعاً فی نفسہ جائز ہے تاہم اس میں ایک خطرہ ہے کہ بوقتِ مصافحہ اگر کسی ایک طرف شہوت ابھر آئے اور یہ مصافحہ بلا کسی حائل کے ہو تو ایسی صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے پھر اس سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اور یہ حرام ہونا ایسا خطرناک ہے کہ طلاق میں تو پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں حلال ہونے کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ حرمت مصاہرت کے ذریعہ جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ حرمت ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ اب آگے پھر دو ہی صورتیں ہیں یا تو انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف ہو قیامت کی رسوائی اور جہنم کے عذاب کا ڈر ہو اور بیوی سے الگ ہو جائے اگر ایسا نہیں کرتا ہے اور بیوی کو ساتھ رکھتا ہے تو زندگی بھر حرام کام میں مبتلا رہے گا اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے اس لیے ساس سے معانقہ اور مصافحہ کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

والخلوة بالمحرم مباحة الا الاخت رضاعا والصهرة الشابة .

(ردالمحتار: ٦١/٢٦٩ فصل فی اللمس والنظر)

یعنی محرم مردوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز مگر رضاعی بہن اور جوان ساس کے ساتھ خلوت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اشکال:

بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے آدمی سسرال میں جائے اور پھر ساس سے معانقہ/ مصافحہ بھی نہ کرے تب تو ساری رشتہ داری ہی ختم ہو جائے گی۔ یہ اشکال ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو مزاجِ شریعت سے ناواقف ہو۔ احتیاط کرنے کے لیے تو اس لیے کہا جا رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ شہوت سے مغلوب ہو جائیں اور اس حالت میں مصافحہ کر کے ہمیشہ کے لیے بیوی سے محروم ہو جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس طرح سلام کیا جائے کہ زبان سے ''السلام علیکم'' کہا جائے اور خیر خیریت معلوم کی جائے تو میرے خیال میں انشاء اللہ رشتہ داری اس طرح قائم رہ سکتی ہے۔

مرد کے لیے انگوٹھی کا حکم:

مرد کے لیے دو شرطوں سے انگوٹھی پہننا جائز ہے:

١۔ چاندی کی ہو۔

٢۔ پانچ ماشے ۴،۸٦ گرام سے کم ہو۔

نگینے میں کوئی قید نہیں، جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے۔

قال العلامة التمرتاشي رحمه اللّٰه تعالیٰ : ولا يتحلي الرجل بذهب و فضة إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر والعبرة بالحلقة لا بالفص .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالیٰ : (قوله ولا يتختم إلا بالفضة) هذه عبارة الإمام محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فی الجامع الصغير اي بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد ونحاس كما قدمه وهل حلية السيف كذلك يراجع قال الزيلعي رحمه اللّٰه تعالیٰ وقد وردت اثار في جواز التختم بالفضة وكان للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم خاتم فضة وكان فی يده الكريمة حتى توفی صلى اللّٰه عليه وسلم ثم فی يد ابی بكر رضي اللّٰه عنه الی ان توفی ثم فی يد عمر رضي اللّٰه عنه الی ان توفي ثم فی يد عثمان رضي اللّٰه عنه الی ان وقع من يده فی البئر فانفق مالا عظيما فی طلبه فلم يجده ووقع الخلاف فيما بينهم والتشويش من ذلك الوقت إلی ان استشهد رضي اللّٰه عنه (قوله فيحرم بغيرها) لما روي الطحاوي بإسناده إلی عمران بن حصين وأبي هريرة رضي اللّٰه عنهما قالا نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن خاتم الذهب وروي صاحب السنن بإسناده إلی عبد اللّٰه بن بريدة عن ابيه رضي اللّٰه عنه ان رجلا جاء إلی النبي صلی اللّٰه عليه وسلم.وعليه خاتم من شبه فقال له مالی اجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالی اجد عليك حلية أهل النار فطرحه فقال يا رسول اللّٰه اي شيء إتخذه قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا فعلم ان التختم بالذهب والحديد والصفر حرام فالحق اليشب بذلك لانه قد يتخذ منه الأصنام فاشبه الشبه الذي هو منصوص معلوم بالنص اتقانی والشبه محركا لنحاس قاموس وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه

للرجال والنساء . (ردالمحتار : ۱/۲۲۹ ، أحسن الفتاوى : ۹/۶۹)

خواتین کے لیے انگوٹھی کی تفصیل:

خواتین کے لیے سونے، چاندی کے علاوہ دوسری دھات لوہا، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ تو سمجھ لینا چاہیے کہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات، لوہا، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض مکروہ تحریمی کہتے ہیں بعض تنزیہی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی استعمال نہ کی جائے تاہم اگر کوئی استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : تحت قوله (فيحرم بغيرها) وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء . (ردالمحتار : ۶/۳۵۹)

وفي العالمكيرية قال : التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ـ إلى ...... قوله ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة (أو ذهب) حتى لا يرى كذا في المحيط .

وفي إمداد الأحكام قال ، قلت : والكراهة إذا اطلقت يرادبها كراهة التحريم وبالجملة فلا يجوز التختم بشيء من المعادن الا للرجال بالفضة وللنساء بها وبالذهب إلى ...... قوله اما قوله صلى الله عليه وسلم التمس ولو خاتما من حديد فلا يدل على جواز اللبس وإنما يدل على جواز اعطائه للمرأة في مهرها لتنفع به بيعها ونحوه وقد حمله علماء نا الحنفية على المبالغة فى الالتماس ، فإن المهر عندهم لا يكون اقل من دينار ممعناه التمس ولو شيئاً قليلا حتى تعجله في مهرها .(۴/۳۵۸)

وفي الحاوي للفتاوىٰ قال : اما التختم بسائر المعادن ما عد

الـذهـب فـغير حرام بلا خلاف لكن هل يكره وجهان : احدهما نعم لحديث بريدة أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم عليه خاتم مـن شبـه (أي الـنـحاس الاصفر) فقال مالي اجد منك ريح الأصنام فـطـرحـه ثـم جـاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي أري عليك حلية اهـل الـنـار . فـطـرحـه فقال : يا رسول الله من أي شيء اتخذه ، قال اتـخـذه مـن ورق ولا تـتـمه مثقالاً ، أخرجه ابو داود ، والترمذي وفي سنده رجل متكلم فيه فضعفه النووي في شرح المهذب لاجله ولكن ابن حبان صححه فاخرجه في صحيحه .

والوجه الثاني أنه لا يكره ورجحه النووي في الروضة وفي شرح الـمهـذب قال لضعف الحديث الأوّل ، ولما أخرجه ابو داود بأسناد جيد عن معيقب الصحابي قال كان خاتم النبي صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه الفضة . (الحاوي للفتاوىٰ : ١/٧٥)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہےلوہے اور پیتل کی انگوٹھی میں مرد اور عورت یکساں ہیں اور کراہت ان کے پہننے کی تنزیہی ہے نہ تحریمی کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کو بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ : ص ٤٩١)

دانتوں کے گرد سونے چاندی کا خول لگانا:

بعض لوگوں کے دانت ہلتے ہیں اور بعض کے تو نکل کر گر جاتے ہیں اس کے بعد بعض لوگ سونے چاندی کے خول چڑھاتے ہیں شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں اس کے ساتھ وضوء غسل کا کیا حکم ہو گا؟

واضح ہو کہ ایسا خول لگانا چونکہ ضرورت میں داخل ہے اور اتارنے میں حرج ہے وہ مدفوع ہے شرعاً لہٰذا ایسا خول چڑھانا جائز ہے اور بدون اتارے وضوء اور غسل صحیح ہو جائے گا۔

ونـظـائـرهـا مشهورة وفي كتب القوم مسطورة ، بل نصوا على جـواز اتـخاذ الاسنان من الذهب وشدها به ولو كان مانعا عن صحة الغسل لما افتوا به . (أحسن الفتاوىٰ : ٢/٣٣)

إذا تعطل الضرس أو نخر، واحتاج الرجل إلى استعمال الذهب في تلبيسه، فإنه يجوز له للضرورة، للقاعدة الشرعية المشهورة، وهي قولهم: " الضرورات تبيح المحظورات " فإن استعمال غير الذهب، في إصلاح الأضراس أو الأسنان، قد لا يصلح، حيث يتعفن الضرس ويتسوس بواسطة الطعام، ولا ينفع في حمايته إلا الذهب، لأنه لا يتغير ولا ينتن.

ودليل الإباحة ما روي عن الصحابي " عرفجة بن أسعد " أنه قال: " أصيب أنفي ـ أن في إحدي الغزوات ـ فاتخذت أنفا من ورق ـ أي من فضة ـ فأنتن علي ـ أي صار له ريحة كريهة منتنة بالتغير ـ فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتخذ أنفا من ذهب.

فدل هذا الحديث على جواز استعمال الذهب للرجال عند الضرورة.

علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ سونے کے خول چڑھانا جائز ہونے کی دلیل حدیث عرفجہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میری ناک شہید ہوگئی میں نے چاندی کی ناک بنوالی وہ بدبودار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی ناک بنوالو۔

قال الفقهاء: يجوز لمن سقطت أسنانه، أو تعفنت أضراسه، أن يتخذ بدلها من الذهب أو الفضة، وكذلك يجوز لمن قطعت أنفه أن يتخذ بدلها من الفضة أو الذهب.

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص کا دانت ہلنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کی تار سے باندھنا جائز ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا تحركت ثنية الرجل إلى أن قال فشدها بذهب او فضة لا بأس به و ليس هذا كالحلى الخ. (إمداد المفتين: صـ ٨١٥)

قال محمد رحمه الله يشدها بالذهب ايضاً وهو رواية عن الإمام

أبي حنيفة ذكره الحاكم في المنتقى وافتى في خلاصة الفتاوىٰ بجواز إتخاذ السن من الذهب والفضة .

(فتاوىٰ عالمگيري كتاب الكراهة باب عاشر ٤/ ٢١٤)

سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا:

آج کل بعض لوگ کھانے پینے کیلئے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جوکہ چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا ازروئے شریعت ایک مسلمان کیلئے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

یادرہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینا تکلف اور تکبر ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہٰذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذيفة رضي الله عنه قال نهانا النبي صلى الله عليه وسلم أن نشرب في أنية الذهب والفضة وأن ناكل فيها وعن نلبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه .

(الصحيح البخاري : ٢/ ٨٦٨ كتاب اللباس ، باب مس الحرير من غير لبس)

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم:

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں امداد المفتین سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: آج کل ولایتی گھڑیاں سونے اور چاندی کی جو رائج ہیں ان کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اندورنی پرزے تمام لوہے کے ہوتے ہیں اوپر کا خول جو ہوتا ہے اس میں بھی غالب حصہ دوسری دھات کا ہوتا ہے اور کمتر سونے کا۔ نیز یہ بھی مطلع فرمائیں کہ آیا ایسی چیزوں پر زکوۃ دینا چاہیے یا نہیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ فاؤنٹین پین (ولایتی قلم) جس میں سونے کا نب رہتا ہے اس کا استعمال بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا، چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لیے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب ومتاع میں داخل ہیں۔ (صرح بہ الہدایہ وغیرھا) لہٰذا ان کا استعمال

مردوں کے لیے جائز ہے اور زکوٰۃ بھی مثل سونے اور چاندی کے ان پر نہیں آتی، البتہ اگر تجارت کے لیے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ آئے گی، فاؤنٹین پین میں بھی جو ب ہوتا ہے وہ بھی غالباً سونے کا نہیں ہوتا اس لیے جائز ہے۔

احکام الصید والذبائح

اللہ تعالیٰ نے حیوانات میں ان جانوروں کو انسان کے لیے حلال قرار دیا جن کا گوشت انسان کے لیے نافع ہے۔ جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں وغیرہ اسی طرح بعض جنگلی جانوروں کو بھی حلال قرار دیا ہے جیسے نیل گائے، خرگوش، ہرن وغیرہ۔ جس کی تفصیل حظر واباحۃ کے تحت گزر چکی ہے یہاں شکار اور ذبح کے احکام کا بیان ہے۔

قوله تعالیٰ: ﴿ أحلت لكم بهيمة الأنعام ﴾ (المائدة: ١)

''حلال ہوئے تمہارے لیے چوپائے مویشی۔''

وقوله تعالیٰ: ﴿ يسئلونك ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبٰت وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه واتقوا الله إن الله سريع الحساب ﴾ (سورة المائدة: ٤)

''یعنی لوگ پوچھتے ہیں کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں فرما دیجئے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو (شکار پر) چھوڑ دو اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ نے تعلیم دیا ہے، تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑیں اس کو کھا لو اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔''

شکار کے حلال ہونے کی شرائط:

اوّل یہ کہ شکاری کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگر چہ وہ شکار

کے پیچھے ' رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا۔ اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں۔ آیتِ مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ ''مکلبین'' سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں، پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحبِ جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان ﴿ مما امسکن علیکم ﴾ سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دَم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ شکار جانور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حلال تو کر دیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکامِ شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

(معارف القرآن : ۳ / ۴۰ ، سورۃ المائدۃ)

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رُو لٹا کر تیز چھری ہاتھ میں لے کر قبلہ رُخ ہو کر

بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر گلے پر چلائی جائے یہاں تک گلے کی چار رگیں کٹ جائیں، ایک نرخرہ، جس سے جانور سانس لیتا ہے، دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے، اور دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں، اگر ان چاروں میں سے تین کٹ جائیں تو بھی ذبح درست ہے اور اس کا کھانا حلال ہے، البتہ اگر دو ہی رگیں کٹیں تو جانور مردار ہوگا اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

قال في التنوير : وعروقه الحلقوم والمري ، والودجان وحل بقطع اي ثلاث منها ، وقال ايضا : وندب احداد شفرته قبل الاضجاع .

(ردالمحتار : ٥/٢٠٦ كتاب الذبائح)

ذبح کے وقت بسم اللہ کا حکم:

ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، لہٰذا جس جانور کو ذبح کرتے ہوئے جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا گوشت حلال نہیں، خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، البتہ اگر بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو ذبیحہ حلال ہوگا، شافعی حضرات مسلمان کے ذبیحہ کو مطلقاً حلال قرار دیتے ہیں خواہ عمداً تسمیہ چھوڑ دے یا نسیاناً۔

لقوله تعالىٰ : ﴿ ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق وإن الشيطين ليوحون إلى أوليهم ليجادلوكم ﴾

(سورة الأنعام : ١٢١)

''اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کھانا گناہ ہے، یقیناً شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔''

ذبح کے وقت بسم اللہ غیر عربی میں کہنے کا حکم:

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے، لیکن بسم اللہ کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں چنانچہ اگر کوئی ذبح کے وقت کہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں، تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا۔ احسن الفتاویٰ ۷/۴۰۵ میں ہے:

لإن الفقهاء رحمهم الله لم يشترطوا العربية ولو كان لذكروه .

لیکن افضل اور مستحب یہی ہے کہ عربی میں یوں کہے: ''بسم اللہ اللہ اکبر''

عورت کے ذبیحہ کا حکم:

اگر کوئی مسلمان خاتون جو ذبح کے طریقے سے واقف ہو وہ اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ ذبیحہ بلا کراہت حلال ہے۔

ذبح کے وقت پوری گردن کٹنے کا حکم:

ذبح کے وقت پوری گردن کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو بلا ضرورت زائد تکلیف پہنچانا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص قصداً پوری گردن کاٹ دے تو یہ فعل اگر چہ مکروہ ہے تاہم گوشت کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔

نابالغ بچہ کے ذبیحہ کا حکم:

اگر نابالغ بچہ ذبح کا طریقہ جانتا ہو اور پھر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو اس کا بیجہ بھی حلال ہے۔

گونگے کے ذبیحہ کا حکم:

گونگے مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

وشرط كون الذابح مسلمان حلا لا إلى ...... قوله ولو الذابح مجنونا أو امرأة أو صبيا يعقل التسمية والذبح ويقدر أو اقلف أو اخرس ...... (ردالمحتار : ٦/٢٩٧ كتاب الذبائح)

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

مسلمان کی طرح اہل کتاب یعنی یہودی، نصرانی جو دین سماوی پر ایمان رکھتا ہو اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام لینے کو ضروری سمجھتا ہو ان کا ذبیحہ فی نفسہ حلال ہے۔

لقوله تعالىٰ : ﴿ وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم ﴾ (سورة المائدة : ٥)

قال ابن عباس : (طعامهم) ذبائحهم . (البخاري : ٣/٣١١)

وقال جمهور الامة إن ذبيحة كل نصراني حلال سواء كان من بني تغلب وغيرهم و كذلك اليهود . (تفسير قرطبي : ٦/٧٨)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں

سینکڑوں تحریفات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی بالکل اسلام کے مطابق ہے یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار میتہ ناپاک اور حرام قرار دیتے ہیں۔الخ (معارف القرآن : ۳/ ۵۱)

وطعام اهل الكتاب قال ابن عباس وابو امامه ومجاهد وسعيد بن جبير وعكرمة وعطاء والحسن ومكحول وإبراهيم النخعي والسدي ومقاتل بن حيان يعني ذبائحهم حلال للمسلمين لانهم يعتقدن تحريم الذبح لغير الله و كرون على ذبائحهم إلا اسم الله وإن اعتقدوا فيه تعالىٰ ما هو منزه عنه تعالىٰ وتقدس .

(تفسير ابن كثير مائدة : ۳/ ۱۹)

اب اگر کوئی نصرانی ذبح کے وقت اللہ کے نام کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے تو ان کا ذبیحہ حرام ہوگا۔

ويشترط لحل ذبيحة الكتابي أن لا يذكر اسم غير الله ، فإن ذكر اسم المسيح عند الذبح حرمت ذبيحة ، لإنه احل لغير الله ، وقد حرم الله ما اهل به لغيره اي ذكر عليها اسم غير الله تعالىٰ عند الذبح .

(فقه المعاملات)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی دین سماوی پر قائم ہو اور اسلامی طریقہ پر ذبح کو ضروری سمجھتا ہو اور وہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ایسے اہل کتاب ناپید ہو چکے ہیں، لہٰذا یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حرام کہا جائے گا۔

چنانچہ حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ ذبیحہ اہل کتاب پر مفصل بحث فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کو ضروری نہیں سمجھتے کسی بھی طریقہ سے مار دینے کو کافی سمجھتے ہیں اور یہ ان کے ہاں عام معمول ہے، مرغی پکڑی گردن مروڑ دی اور کھینچ کر الگ کر دی، لہٰذا ان کا ذبیحہ منخنقۃ یا موقوذۃ کے حکم ہونے کی بناء پر حرام ہے۔" (احسن الفتاوی : ۷/ ۴۱۶)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یاد رکھنا چاہیے کہ آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو دہریے ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگر چہ مردم شماری کے اعتبار سے نصاریٰ کہلاتے ہیں، مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے، ان کا ذبیحہ بھی کسی حال میں درست نہیں اگر چہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ سے بھی تابمقدور احتراز کرے۔

(امداد المفتین : ١٦/ ٩٣١)

مذبوح جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچہ کا حکم:

اگر جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو اس کا کھانا حرام ہے، اس کو استعمال میں نہ لایا جائے اور اگر زندہ بچہ نکلا تو اس کو اگر شرعی طریقہ سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت حلال ہوگا، فقہاء جو لکھتے ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ اسکا مطلب یہی نکلتا ہے کہ بچے کے ذبح کا وہی طریقہ ہے جو ماں کے ذبح کا ہے۔

قال فی شرح التنویر : وفي منظومة النسفي قوله إن الجنين مفرد بحكمه لم يتذك بذكاة امه . فخدف المصنف إن وقالا إن تم خلقه اكل لقوله عليه الصلوٰة والسلام ذكاة الجنين ذكاة امه وحمله الإمام على التشبيه اي كذكاة امه بدليل انه روي بالنصب وليس في ذبح الأم اضاعة الولد لعدم التيقن بموته . (ردالمحتار : ٥/ ٢١٣)

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ : ٧/ ٤٠٩)

جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر جدا کرنا:

ٹھنڈا ہونے سے پہلے مذبوح جانور کا سر تن سے علیحدہ کر دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے فائدہ جانور کو تکلیف پہنچانا ہے، البتہ ذبیحہ حلال ہے۔

قال فی الدر المختار : وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل ان تبرد . (ردالمحتار : ٥/ ٢٠٥ ، كتاب الذبائح)

بندوق کا شکار بدونِ ذبح حلال نہیں:

بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اس کا کھانا حلال نہیں

ہے، درمختار میں ہے:

او بندوقة ثقلة ذات حدة لقتلها بالثقل لا بالحد الخ .

اور شامیہ میں ہے:

قال قاضي خان لا يحل صيد البندوقه والحجر والمعراض والعصاء وما اشبه ذلك وإن جرح لانه لا يخرق إلى أن قال فاما لجرح الذي يدق في الباطن ولا يخرق في الظاهر لا يحل لإنه لا يحصل به انهار الدم والاصل إن الموت إذا حصل بالجرح بيقين حل وإن بالثقل او شك فيه لا يحل حتما أو احتياطاً .

(ماخوذ از إمداد المفتين)

بندوق اور غلیل کے شکار کا حکم:

بندوق کے چھرے اور گولی اور غلیل کے غلے ان سب کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان کے ذریعے ذبح کا تحقق نہیں ہوتا اگر چہ بسم اللہ کہہ کر بندوق یا غلیل چھوڑی جائے وجہ یہ ہے کہ ذبح کرنے میں جن چاروں رگوں کا قطع کرنا ضروری ہے ان میں یہ شرط ہے کہ ان کو دھار دار چیز سے قطع کیا جائے کسی بوجھل چیز کے صدمے سے توڑا نہ جائے بندوق کے چھرے گولی اور غلیل کے غلے ظاہر ہے کہ دھار دار نہیں ہوتے اس لیے ان سے جو زخم لگتا ہے وہ قطع کرنے کے حکم میں نہیں ہو سکتا۔ یہی مذہب مفتی بہ ہے جس کی تصریح عالمگیری نے کتاب الذبائح میں کی ہے۔ نیز درمختار میں ہے:

وحل الذبح بكل ما افرى الاوداج فانهر الدم .

(الدر المختار ص ۲۹٤ كتاب الذبائح)

جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے لیے قطع کرنا عروق اربعہ کا ضروری ہے توڑ دینے سے یہ صورت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (امداد المفتین :صفحہ ۹۴۳)

حرام مغز کا حکم:

فقہ حنفی کی کتابوں میں عام طور پر حلال جانور کے سات اجزاء کو حرام لکھتے ہیں، حالانکہ حرام مغز کا کھانا بھی حرام ہے۔

كما صرح به الطحاوي على الدر ٥/٣٦ حيث قال وزيد نخاع

الصلب . (ماخوذ از امداد المفتین)

مشینی ذبیحہ کا حکم:

مشینی ذبیحہ کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے ایک سوال و جواب یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

۱۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں جو طریق ذبح مذکور ہے یعنی حلق اور لبہ پر چھری، چاقو وغیرہ دھاری دار آلہ سے ذبح یا نحر کرنا ''امر تعبدی'' نہیں بلکہ ''امر عادی'' ہے۔ عرب میں چونکہ اسی طرح جانور ذبح کیے جاتے تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے بھی چند ہدایات کے ساتھ اسی طریق کو قائم رکھا، لہٰذا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جس طریق پر بھی جانور ذبح کرلیں، ذبیحہ حلال ہوگا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۲۔ صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے لے رہا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کردیے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ تو اگر بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

۱۔ یہ قول صحیح نہیں، جانور کے حلال ہونے کے لیے بنص قرآن ''ذکاۃ شرعی'' ضروری ہے اور ''ذکاۃ اختیاری'' کا طریقہ شرعیہ ذبح یا نحر ہے اور ان کا محل حلق اور لبہ ہے جس کا تعین حدیث صحیح میں ''امورِ عادیہ'' کے طور پر نہیں بلکہ ''تشریعی'' طریقہ پر کیا گیا ہے۔

۲۔ اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کردینا، خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاق جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کردیا گیا ہے اس کا گوشت حلال ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبادیا گیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کیلئے کافی ہوگئی اور اگر آگے پیچھے گردنیں کٹیں تو یہ بسم اللہ پہلے

جانور کیلئے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لیے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور اسی لیے باتفاقِ امت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

پھر اس طرح گردن کے اوپر سے ذبح کیے ہوئے جانور، جن پر بسم اللہ پڑھنا معتبر بھی ہے، ان کے حلال ہونے میں فقہاء صحابہ وتابعین میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا بھی حرام ہونا منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس طریقہ ذبح کے ناجائز اور گناہ ہونے کے باوجود اس کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الذبائح)

تفصیل وتشریح جواب:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآن کریم نے کسی جانور کا گوشت حلال ہونے کے لیے ذکاۃ کو ضروری قرار دیا ہے بغیر ذکاۃ شرعی کے ذبیحہ قطعاً حرام ہے۔ یہ ذکاۃ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تشریح عنقریب آئے گی۔

سورۂ مائدہ میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:

﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع إلا ما ذكيتم﴾

اس آیت کریمہ میں حرمت سے مستثنٰی صرف وہ جانور ہیں جن کو ذکاۃ شرعی کے ذریعہ حلال کر لیا گیا ہو۔ ذکاۃ شرعی کے متعلق امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا:

وحقيقة التذكية إخراج الحرارة الغريزية لكن خص في الشرع بابطال الحياة على وجه دون وجه.

امام راغب کی اس تصریح سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ذکاۃ مطلقاً جانور کو قتل کر دینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک خاص طریقہ مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ خاص طریقہ محض عادات ورسوم کے تابع نہیں، بلکہ ایک شرعی اصطلاح اور ایک قانون ہے۔

پھر قرآن وسنت نے ذکاۃ کی دو صورتیں قرار دی ہیں۔ ایک اختیاری، جیسے گھریلو اور پالتو جانوروں کی ذکاۃ۔ دوسرے غیر اختیاری، جیسے شکار یا جو جانور کسی وجہ سے قابو سے نکل جائے

مقررہ طریق پر ذبح نہ کیا جا سکے۔ دوسری صورت کی ذکاۃ حسب تصریح احادیث صحیحہ بسم اللہ کے ساتھ تیر یا نیزہ وغیرہ سے زخم لگا کر زخمی کر دینا اور خون بہا دینا ہے۔ ذبح یا نحر شرط نہیں۔

اور پہلی قسم یعنی اختیاری ذکاۃ کے لیے ذبح یا نحر ضروری ہے۔ گائے، بیل اور بکری میں ذبح کرنے کا اور اونٹ میں نحر کرنے کا حکم ہے۔

ذبح کی حقیقت یہ ہے کہ چار رگیں تو حلقوم اور مری اور ان دونوں کے دو طرف گردن کی رگیں جن کو ودجین کہا جاتا ہے، ان کو قطع کر دینا اور نحر کی صورت یہ ہے کہ جانور کو کھڑا کر کے اس کے لبہ یعنی حلقوم کے گھڑے میں نیزہ یا چھری مار کر ذبح بہا دیا جائے۔

قرآن عزیز میں گائے کے متعلق ﴿ان تذبحوا بقرة﴾ اور ﴿فذبحوها﴾ کے الفاظ سے اور دنبہ کے متعلق ﴿فديناه بذبح عظيم﴾ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ میں ذبح کرنا مسنون ہے اور ﴿فصل لربك والنحر﴾ کے الفاظ سے اونٹ کا نحر کرنا معلوم ہوا۔ کیونکہ یہ آیت اونٹ کی قربانی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں اونٹوں کے متعلق صواف کا لفظ بھی آیا ہے اس سے بھی اونٹ کا نحر ہی معلوم ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس کے خلاف یعنی اونٹ کا ذبح کرنا یا گائے، بکری وغیرہ کا نحر کرنا کہیں منقول نہیں۔ اس لیے باتفاق امت ایسا کرنا جائز نہیں، اگر کسی نے سنت کے خلاف ایسا کر دیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حرام ہو گیا۔ دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگرچہ طریقہ ذکاۃ خلاف سنت ہونے کا گناہ ہوا مگر چونکہ حقیقت ذکاۃ پائی گئی، اس لیے گوشت حلال ہے۔

لما في البدائع ولو نحر ما يذبح وذبح ما ينحر يحل لوجود فرى الاوداج ولكن يكره لان السنة فى الإبل النحر وفي غيرها الذبح (إلى قوله) وقال مالك إذا ذبح البدنة لا تحل لان الله تبارك وتعالىٰ امر فى البدنة بالنحر بقوله عن شانه ﴿فصل لربك وانحر﴾ فاذاذبح ترك المأمور به فلا يحل. (بدائع ٥/٤١)

بدائع میں مذکور ہے کہ اگر ذبح کیے جانے والے جانور کو نحر کر دیا، یا نحر کیے جانے والے جانور کو ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال ہوگا اس لیے کہ گردن کی رگوں کا کٹنا پایا گیا لیکن مکروہ ہوگا اس لیے کہ سنت

اونٹ میں نحر ہے اور باقی میں ذبح ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ اگر اونٹنی کو ذبح کر دیا تو وہ حلال نہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالی نے آیت کریمہ ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ میں اونٹ کو نحر کرنے کا حکم دیا ہے تو جب اس شخص نے بجائے نحر کے ذبح کر دیا تو اس نے فعل مامور بہ جس کا حکم تھا اس کو ترک کر دیا۔

جانور کے حلال ہونے کے لیے ذکاۃ شرعی کی شرط اور ذکاۃ کی اقسام و احکام کے متعلق مذکورہ بالا تصریحاتِ قرآن وسنت اور اقوالِ صحابہ وتابعین اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ ذبح کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے وہ محض رسم عادت نہیں، بلکہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں کو بدل کر ایک ''تعبدی'' طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کی خلاف ورزی گناہ ہے اور بعض صورتوں میں ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوتا۔

موجودہ سوال میں ذکاۃ غیر اختیاری اور اونٹ کے نحر کی بحث نہیں۔ زیر بحث صرف وہ جانور ہیں جن کی ذکاۃ کا مسنون طریقہ ذبح ہے یعنی گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ۔ اس لیے ذبح کی شرعی حقیقت اور اس کی شرائط پر کسی قدر مزید تفصیل لکھی جاتی ہے۔ جس سے دوسرے سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔

ذبح کی تعریف صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن رباح سے یہ نقل کی گئی ہے، الذبح قطع الاوداج ،اس میں اوداج۔ ودج کی جمع ہے جو حلقوم اور مری کے دائیں بائیں دو موٹی رگوں کا نام ہے اور عادۃً ان کا قطع کرنا حلقوم اور مری کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لیے مراد ان چاروں چیزوں کا قطع کرنا ہے۔ یعنی حلقوم جس سے سانس اندر آتا جاتا ہے اور مری جس سے غذا اندر جاتی ہے اور دونوں طرف گردن کی موٹی رگیں جن سے خون کا سیلان ہوتا ہے اور ان کا محل متعین کرنے کے لیے ہدایہ میں رسول کریم ﷺ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ارشاد ہے:

الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین .

یعنی ذبح دونوں جبڑوں کے نیچے گردن اور سینہ کے درمیانی گڑھے تک ہے۔ اس درمیان میں جس جگہ سے بھی کاٹ دیا جائے، ذبح درست ہوگا، جمہور فقہاءِ امت کے نزدیک ذبح کی یہی تعریف ہے اور عام کتب فقہ میں یہی مذکور ہے البتہ اس میں ائمہ مجتہدین کے اقوال مختلف ہیں کہ ان چاروں میں سے اگر کوئی رگ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ جس کی تفصیل میں جانے کی

اس جگہ ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کا مسنون اور شرعی طریقہ وہی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے کہ جانور کولٹا کر گلے کی یہ چار موٹی رگیں قطع کردی جائیں۔ جن سے خون بہہ جائے اور سر بالکل دھڑ سے علیحدہ بھی نہ ہوگا، گلے کو بالکل آخر تک کاٹ دینے کو نخع کہا جاتا ہے۔ حدیث صحیح بخاری میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

عن ابن جريج قال اخبرني نافع ان ابن عمر نهي عن النخع يقول يقطع ما دون العظم ثم يدع حتى يموت .

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نخع کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ گردن کی آخری ہڈی جس کو نخاع کہا جاتا ہے، اس کو قطع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ چار رگیں کاٹ کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جانور مر جائے۔

اور بدائع الصنائع میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہے:

الا لا تنخعوا الذبيحة .

یعنی مذبوح کا سر بالکل دھڑ سے مت الگ کرو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی رائے اور قیاس کا معاملہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا منع فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہی نخع کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے گلے کی رگوں کو اتنا گہرا کاٹنا کہ آخر گردن تک پہنچ جائے۔ اس حدیث کی رو سے ناجائز ثابت ہوا اور اس سے زیادہ اشد گناہ اور ناجائز یہ ہے کہ گدی کی طرف سے کاٹا جائے اور سر کو دھڑ سے علیحدہ کردیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

ومن بلغ بالسكين النخاع او قطع الرأس كره له ذلك وتوكل ذبيحتهُ وإن ذبح الشاة من قفاها فبقيت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هو ذكاة .

اور جس شخص نے ذبح کے وقت چھری کو نخاع تک یعنی گردن کی آخری ہڈی تک پہنچادیا تو یہ مکروہ ہے، مگر ذبیحہ حلال ہے اور اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کیا اور وہ عروقِ ذبح قطع ہونے تک زندہ رہی تو ذبیحہ حلال ہوگیا مگر ایسا کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

درمختار شامی میں ہے:

و كره ذبحها من قفاها ان بقيت حية حتى تقطع العروق وإلا لم تحل لموتها بلا ذكاة والنخع وقطع الرأس .

جانور کو گدی کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے اگر جانور کی رگیں قطع ہونے تک زندہ رہے ورنہ حلال نہیں، کیونکہ وہ قبل ذبح مر گیا، اور نخع کرنا بھی مکروہ ہے۔ یعنی گردن کی آخری ہڈی تک کاٹ دینا اور سر کو کاٹ دینا بھی مکروہ ہے۔

اور بدائع الصنائع میں ہے:

ولو ضرب عنق جزورا وبقرة او شاة بسيفه فابانها وسمى فإن كان ضربها من قبل الحلقوم تو كل وقد اساء اما حل الا كل فلانه اتى بفعل الذكاة وهو قطع العروق وإما الاساءة فلأنه زاد في المها زيادة لا يحتاج إليها في الذكاةفيكره ذلك وإن ضربها من القفا فإن ماتت قبل القطع بأن ضرب على التأني والتوقف لا تو كل لانها ماتت قبل الذكاة فكانت ميتة وإن قطع العروق قبل موتها تو كل لوجود فعل الذكاة وهي حية إلا أنه يكره ذلك . (بدائع : ٥/٤٢)

اور اگر اونٹ یا گائے یا بکری کی گردن پر تلوار مار کر گردن الگ کر دی اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا کیا تو اگر یہ کام حلق کے رخ سے کیا ہے تب تو ذبیحہ حلال ہے مگر ایسا کرنا برا ہے۔ ذبیحہ کی حلت تو اس لیے ہے کہ ذکاۃ کی شرائط پائی گئیں اور برائی اور گناہ اس لیے ہے کہ اس شخص نے بلاضرورت جانور کو غیر ضروری تکلیف دی۔ اس لیے مکروہ ہے، اور اگر گردن کے اوپر سے تلوار مار کر گردن الگ کی ہے تو اگر عروق ذبح تک تلوار پہنچنے سے پہلے جانور مر گیا، مثلاً آہستہ آہستہ کاٹا اور ذبح کی رگوں تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو وہ مردار ہے، کھانا اس کا حلال نہیں، اور اگر فوری طور پر کاٹا گیا اور مرنے سے پہلے ذبح کی رگیں کٹ گئیں تو گوشت حلال ہے اگر چہ طریقہ ذبح مکروہ وناجائز ہے۔

روایاتِ مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ جانور کو گردن کے اوپر سے کاٹنا ذبح کے طریق مشروع کے خلاف اور ناجائز ہے اور گردن کو دھڑ سے علیحدہ کرنا الگ ایک مکروہ فعل ہے۔ اگر گردن کے اوپر سے کاٹنے کی صورت میں آہستہ آہستہ کاٹا جائے جس سے عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں ذبیحہ بھی مردار اور حرام ہو جاتا ہے، البتہ اگر تیز چھری

سے فوراً گردن الگ کر دی جائے تو طریق ذبح خلافِ شرع ہونے کے گناہ کے باوجود بسم اللہ پڑھ کر یہ عمل کیا گیا ہے تو ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔

بجلی کی مشینوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر رکھ کر گردن کاٹ دینے سے بظاہر یہ صورت تو نہ ہوگی کہ عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے کیونکہ یہ قطع بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے اگر مشین کی چھری گردن پر رکھنے والے نے بسم اللہ کہہ کر چھری رکھی ہے تو گو غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہوا مگر گوشت حلال ہو گیا۔

لیکن یہاں ایک مسئلہ دوسرا یہ سامنے آتا ہے کہ بہت سے جانوروں کو مشین کے نیچے کھڑے کر کے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ بھی لی گئی ہو تو کیا وہ سب جانوروں کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے یا صرف پہلے جانور کے لیے کافی ہوگی اور دوسرے جانور مردار پائیں گے۔

اس کے متعلق مقتضی نصوص اور اصولِ شرعیہ کا یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنا دونوں متصل واقع ہوں، معمولی ایک آدھ منٹ کی تقدیم کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ اتنا فرق ہو جانا عادۃً ناگزیر ہے مگر اس سے زیادہ تقدیم ہوئی تو یہ تسمیہ ذبح کے متصل نہ ہونے کے سبب کالعدم ہو جائے گا اور جانور مردار قرار پائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فوقتها في الذكاة الاختيارية وقت الذبح لا يجوز تقديمها عليه إلا بزمان قليل لا يمكن التحرز عنه لقوله تبارك وتعالىٰ ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ والذبح مضمر فيه معناه ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله تعالىٰ عليه من الذبائح ولا يتحقق ذكرا اسم الله تعالىٰ على الذبيحة إلا وقت الذبائح . (بدائع الصنائع : ٥/٤٩)

تسمیہ (بسم اللہ) کہنے کا وقت اختیاری ذکاۃ میں بعینہ ذبح کرنے کا وقت ہے، لہٰذا پہلے سے بسم اللہ کہہ لینا ناجائز ہے، بجز اس قدر قلیل زمانہ کے جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور مت کھاؤ اس جانور کا گوشت جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا۔'' ذبح کا لفظ یہاں مضمر (پوشیدہ) ہے اور معنی یہ ہیں کہ ذبح کے وقت جس جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کا گوشت مت کھاؤ۔ لہٰذا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ ذبح کے وقت نام لیا گیا ہو۔

اسی بناء پر صاحب بدائع نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو اسی سابقہ تسمیہ پر اکتفاء کر کے ذبح کر دیا تو یہ بکری مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ جو بسم اللہ پڑھی گئی اس کے اور ذبح کے درمیان فصل ہو گیا۔

اور مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالی کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے:

ارأیت الذابح یذبح الشاتین والثلاثة فیسمی علی الأول ویدع التسمیة علی غیر ذلك عمداً قال یأکل الشاة اللتي سمي علیها ولا یأکل ما سوی ذلك. (بدائع الصنائع: ٥/٤٩)

حضرت مسئلہ بتائیں۔ ایک ذبح کرنے والا دو یا تین بکریوں کو ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام پہلی پر لیتا ہے اور باقی پر عمداً چھوڑ دیتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا (ایسی صورت میں) صرف پہلی بکری حلال ہے باقی حلال نہیں۔

البتہ اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ رکھ کر دونوں کے گلے پر بیک وقت چھری پھیری ہے تو یہ تسمیہ دونوں کے لیے کافی ہوگا اور دونوں حلال ہو جائیں گی۔

لو اضجع شاتین وامر السکین علیهما معا انه تجزئ في ذلك تسمیة واحدة. (بدائع: ٥/٥٠)

اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ زمین پر لٹایا اور دونوں پر ایک ساتھ چھری پھیری تو اس صورت میں ایک مرتبہ بسم اللہ کہنا کافی ہوگا۔

روایات مذکورہ کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث: ''بہت سے جانور مشین کی چھری کے نیچے کھڑے کر دیے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر ان کی گردن کاٹ دی جائے۔'' اس میں غیر مشروط طریقہ پر ذبح کرنے کے گناہ کے علاوہ صرف وہ جانور حلال سمجھے جائیں گے جن پر چھری بیک وقت پڑی ہے۔ بشرطیکہ مشین کی چھری چلانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کے نزدیک یہ بھی طریق ذبح غیر مشروع ہونے کے سبب حرام ہے اور جن جانوروں کی گردن پر چھری بسم اللہ پڑھنے کے بعد تدریجاً پڑی ہے وہ ترکِ تسمیہ کی وجہ سے جمہور کے نزدیک حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا تفصیل میں سوال کے دونوں نمبروں کا جواب آ گیا اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروّجہ طریقہ ذبح خلافِ شرع اور موجبِ گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

۱۔ مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان، نصرانی یا یہودی ہو۔

۲۔ مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچاتے وقت اس نے خالص اللہ کا نام بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا ہو۔

۳۔ یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہوتے کا علم ہونا آسان نہیں اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم کراچی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ اور اس کے خلاف ایک فتویٰ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں برائے تصویب پیش کیے گئے تو حضرت رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب مد ظلہم کا جواب صحیح ہے، یعنی مشین سے ذبح کرنا جائز نہیں مگر (مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ) ذبیحہ حلال ہوگا۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۷۳)

اہل بدعت کے ذبیحہ کا حکم:

بعد از سلام مسنون ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور ان کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرنا، آپ

کی بشریت کا انکار کرنا، آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا، اولیاء اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنا، مافوق الاسباب حاجت روا سمجھنا، ان کی قبروں پر سجدہ کرنا، ان کے تقرب وعبادت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کرنا یا مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا کفر وشرک ہے۔

ایسے عقائد رکھنے والے شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جو نمازیں پڑھی ہوں ان کا اعادہ لازم ہے، ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

البتہ جو شخص مندرجہ بالا عقائد نہ رکھتا ہو مگر بدعات (تیجہ، چالیسواں وغیرہ) کا ارتکاب کرتا ہو وہ بدعتی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، انتظامیہ مسجد پر لازم ہے کہ اسے معزول کر کے کسی متبع السنۃ صالح امام کو مقرر کرے، ورنہ سب وبال انتظامیہ پر ہوگا۔ عوام کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر قریب میں کوئی صالح امام میسر نہ ہو جس کے پیچھے نماز پڑھ سکیں اور اس بدعتی و فاسق امام کو ہٹانے پر قادر بھی نہ ہوں تو فرض نماز اسی کے پیچھے پڑھیں، جماعت ترک نہ کریں۔ نیز ایسے شخص کے ذبیحہ کھانا حلال احتیاط اولی ہے۔

اس کے علاوہ جس شخص کے عقائد مشتبہ ہوں، اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاط اور حتی الامکان اس کے ذبیحہ سے احتراز لازم ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (سورة النساء: ٤٨)

وقال الخليل عليه السلام: ﴿واجنبني وبني أن نعبد الأصنام﴾ (سورة إبراهيم: ٣٥)

وعن عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من مات وهو يدعو من دون الله نداً دخل النار." (رواه البخاري)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ وہ اللہ کے سواء کسی شریک کو بھی پکارتا ہو وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔

ولمسلم عن جابر رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من لقي الله لا يشرك به شيئاً دخل الجنة، ومن لقيه

يشرك به شيئاً دخل النار ."

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ مانتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

قال العلامة الحلبي رحمه الله تعالىٰ : ما حرر من ان كراهة تقديم الفاسق كراهة تحريم و يكره تقديم المبتدع ايضاً لأنه فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حيث العمل لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق و يخاف ويستغفر بخلاف المبتدع ، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة وإنما يجوز الإقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً .(غنيمة المستملى شرح منية المصلى:٥١٤)

اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم:

علماء محققین کے نزدیک موجودہ دور کے اہل تشیع تعصب اور بغض وعناد کی وجہ سے اور کفریہ عقائد رکھنے کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مرتدین کے حکم میں ہو کر کھانے کے قابل نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري الرافضي إن كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر وإن كان يفضل عليا على ابى بكر و عمر رضي الله عنهم لا يكون كافرا لكنه مبتدع .

(خلاصة الفتاوىٰ : ٣٨١/٤ كتاب الكراهية)

علامہ عبدالرشید بخاری نے کہا کہ رافضی اگر حضرات شیخین ابوبکرؓ، عمرؓ کو گالی دیتا ہو، اور ان پر لعن وطعن کرتا ہو، وہ کافر ہے، اور اگر صرف حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو وہ کافر نہیں فاسق بدعتی ہے

اونٹ ذبح کرنے کا طریقہ:

اونٹ کے ذبح کا مسنون طریقہ "نحر" کرنا یعنی اونٹ کو کھڑا کر کے گردن میں چھرا گھونپ کر رگیں کاٹنا۔

والسنة في ذبح الابل أن تكون قائمة مقيدة يسهل نحرها . قال تعالىٰ : ﴿ والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف ﴾ (حج : ٣٦) قال ابن عباس ، صواف اي قياماً .

ارشادِ باری تعالیٰ ہے : قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے، ان جانوروں میں تمہارے فائدے ہیں، سوتم ان پر کھڑے ہوکر اللہ کا نام لیا کرو۔

روي البخاري : عن انس رضي الله عنه قال : نحر النبي صلى الله عليه وسلم سبع بدن قياما ، وضحى بالمدينة كبشين املحين اقرنين . (اخرجاه البخاري في الحج : ٢٩٦/١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتھ اونٹوں کا نحر فرمایا، (یعنی کھڑا کر کے چھرا گھونپ کر رگیں کاٹ کر ذبح فرمایا) اور مدینہ منورہ میں دو چتکبرہ سینگ والے مینڈوں کی قربانی فرمائی۔

عن ابن عمر رضي الله عنه انه اتى على رجل قد اناخ بدنتة يريد ان ينحرها ، فقال له ابن عمر : ابعثها قياماً مقيدة ، سنة ابي القاسم صلى الله عليه وسلم .

(أخرجه البخاري في الحج : ٢٩٦/١ ، باب نحر الإبل مقيدة قائمة)

احكام الاضحيه و العقيقه

قربانی کا نصاب:

سونے، چاندی، مالِ تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۷۹،۴۷،۸ گرام سونے یا ۶۱۲،۳۵ گرام چاندی کے برابر ہوئے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : وشرائطها الإسلام والاقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله واليسار الخ) بأن ملك مأتى درهم او عرضا ايساويها غير مسكنه وثياب اللبس ومتاع يحتاجه إلى أن يذبح الاضحية (الى قوله) وصاحب الثياب الاربعة لوساوى الرابع نصابا غنى وثلاثة فلا لأن احدها للبذالة والاخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والاعياد .

(ردالمحتار : ٢١٩/٥)

قربانی نہ کرنے پر وعیدیں:

قوله عليه السلام : من كان له سعة ولم يضح ، فلا يقربن مصلانا . (أخرجه ابن ماجه ، وقال الحافظ فى الفتح ٣/١٠ ورواه ايضا احمد و رواه ثقات)۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مالدار (یعنی قربانی کے نصاب کا مالک ہو) اور قربانی نہ کرے وہ ہمارے عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

روي الترمذي عن ابن عمر انه قال : اقام النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحى .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے ہر سال قربانی فرماتے تھے۔ ترمذی

مسافر پر قربانی واجب نہیں:

مسافر یعنی جو شخص عیدالاضحیٰ کے دنوں میں اپنے شہر کی حدود سے اڑتالیس میل شرعی یا اس سے زیادہ دور کے فاصلہ پر ہو اور اس نے کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصہ ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں۔

قال علي رضي الله عنه : لا جمعة ، ولا تشريق ، ولا فطر ، ولا اضحى ، الا فى مصر .

(اخرجه عبد الرزاق فی المصنف والبیهقي وابن ابی شيبة)

قال الطحاوي : ولا تجب الاضحية على المسافر .

(الفتاوىٰ الهندية : ٥/٢٩٣)

شریک ہوکر قربانی کرنا:

اونٹ، گائے، بھینس، کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، دو، تین آدمی شریک ہوکر بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

لما روي عن جابر رضي الله عنه قال : اشتركنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في الحج و العمرة كل سبعة في بدنة ، فقال رجل لجابر ، أيشترك في البدنة يعني البقرة . ما يشترك في الجزور ؟ اي الجمل ۔ قال : ما هي الا من البدن . (صحيح مسلم : ١/٩٥٥)

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج وعمرہ میں شریک ہوئے تھے، اور قربانی کے بڑے جانور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوئے کسی نے پوچھا گائے ،بیل میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس میں سات شریک ہو سکتے ہیں۔

البتہ سات سے زیادہ آدمی کا شریک ہونا جائز نہیں اگر کسی جانور میں سات سے زیادہ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔

يجب أن يعلم إن الشاة لا تجزي الا عن واحد وإن كانت عظيمة والبقر والبعير عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالىٰ والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولا يمنع النقصان .

(فتاوىٰ هندية : ٦/٢٠٤)

قربانی کے جانور کی عمر:

بکری اور بھیڑ کی عمر ایک سال، گائے، بھینس دو سال، اونٹ پانچ سال، ہاں چھ ماہ کا دنبہ اگر موٹا تازہ صحت مند ہو اور دیکھنے میں سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

لقوله عليه السلام : لا تذبحوا الامسنة ، إلا أن يعسر عليكم ، فتذبحوا جذعة من الضأن . الجذعة : الفتية من الضأن ، التي زاد منها

على ستة مشهور .

قال العيني : الثني من الغنم والمعز : ماتم له سنة ومن البقر ما تم له سنتان ، ومن الابل ماتم له خمس سنوات ، ونصح الجذعة إذا كانت سمينة عظيمة بحيث لو خلطت بالثنايا ، تشبه على الناظر من بعيد . (البناية على الهداية للعيني : ٤/١٨٦)

قربانی کا وقت:

شہر میں قربانی کا وقت عید کی نماز ختم ہونے کے بعد شہر میں کسی بھی ایک جگہ عید کی نماز کا ختم ہونا کافی ہے، اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، اس پر لازم ہوگا کہ دوبارہ قربانی کرے۔

لقوله النبي صلى الله عليه وسلم : من ذبح قبل الصلوٰة فانما هو لحم قدمه لاهله ليس من النسك فى شيء .

(أخرجه مسلم : ١٥٥١/٢)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عید کی نماز نے پہلے قربانی کا جانور ذبح کردیا اسکی قربانی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کیلئے گوشت حاصل کیا ہے۔

وعن براء بن عازب قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم إن اول ما نبد او من يومنا هذا ، أن نصلى ثم نرجع فنحر ، فمن اصاب هذا فقد اصاب سنتنا ومن نحر قبل ذلك ، فإنما هو لحم يقدمه لاهله ليس من النسك فى شيء ، فقال ابو برده : يا رسول الله ، ذبحت قبل أن اصفى ، وعندي جذعة فقال : اجعلها مكانها . ولن تجزي عن احدك بعدك . (أخرجه البخاري : ٣١٨/٣ ومسلم رقم ١٩٦١)

قربانی کے ایام تین دن ہیں:

قربانی صرف تین دن جائز ہے، یعنی دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ اس کے بعد قربانی کے جانور ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

قال فى الاختيار : وتختص بايام النحر ، وهي ثلاثة ايام ، وهو

المروي عن عمر وعلي وابن عباس وغيرهم وهذا لا يهتدي اليه، فكان طريقها السمع، فكانهم قالوه سماعاً عن النبي صلى الله عليه وسلم وافضلها اولها، لكونه مسارعة إلى الخير والقربة.

(الاختيار لتعليل المختار: ١٩/٥، وانظر الهداية: ٤٠٦/٤ وملتقى الابحر: ٢٢٣/٢)

قربانی صرف تین دن ہوتی ہے۔ یہی بات مروی ہے حضرت عمر، علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یقیناً یہ بات وہ حضرات قیاس سے نہیں کہہ سکتے بلکہ انہوں نے آپ ﷺ سے یہی سنا ہوگا، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے کیونکہ نیکی اور طاعت کے کام جلدی کرنا چاہئے۔

قربانی کا جانور خود ذبح کرے:

قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت قریب موجود رہے۔

عن انس رضي الله عنه قال: ضحى النبي صلى الله عليه وسلم بكشين املحين اقرنين، ذبهما بيده وسمى وكبر ووضع رجله على صفاحهما.

(أخرجه البخاري: ٣١٩/٣ ومسلم ١٩٢٢، باب استحباب التضحية وذبحها مباشرة بدوون توكيل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی فرمائی دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کے وقت اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھا۔

قربانی کی کھال اور اس کے گوشت کا حکم:

قربانی کی کھال اور اس کے گوشت کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لیے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

السوال: ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کا ڈول بنوا کر مسجد میں دینا یا ۔ کھال کی قیمت کو مسجد میں یا دیگر اوقاف میں لگا دینا، تعمیر میں ان کے

ملازموں کو تنخواہ میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ غریب سید کو یا کسی غنی کو کھال قربانی یا کھال کی قیمت دینا کیسا ہے اور کھال یا قیمت کے ان ہر دو طرح سے دینے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟

۳۔ قربانی کا گوشت پختہ یا کچا غیر مسلم ہندوں کو دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: قال في الهداية : واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح .

(تتمه جلد ثاني فتاوىٰ امدادية : صـ ۱۳۷)

وفي الدر : فإن بيع اللحم او الجلد به او بدراهم تصدق بثمنه اهـ . (تتمۂ مذكوره : صـ ۱۳٦)

وفي عالمكيرية : ويهب منها (اي من الاضحية) ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي اهـ . (۲۰۱/٦)

وفيها ايضاً : ولا أن يعطى (أي لا يجوز) احرا لجزار والذبح منها اهـ . (۲۰۲/٦)

قربانی کی کھال کا بعینہ مسجد میں دینا (بشرطیکہ اس کو بعینہ مسجد کے کام میں لایا جاوے یعنی فروخت نہ کی جائے) اسی طرح اس کا ڈول بنا کر مسجد میں دینا جائز ہے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ کا مسجد میں دے دینا جائز ہے باقی کھال کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجبہ کے لیے تملیک شرط ہے اور مسجد محل تملیک نہیں۔ اسی طرح کھال کی قیمت کو ملازمین مسجد و دیگر اوقاف کی تنخواہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے اسی طرح بعینہ کھال یا اس کی قیمت مسجد کے مؤذن یا امام کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں بھی دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر مؤذن و امام کو مقرر کرتے وقت صاف کہہ دیا گیا ہو کہ قربانی کی کھالوں میں تمہارا کچھ حق نہ ہوگا اس کے بعد اس کو بعینہ کھال یا اس کی قیمت دے دی جائے تو جائز ہے اور صورت ثانیہ میں اس کا فقیر ہونا شرط ہے، اسی طرح اس کی قیمت کو مسجد کی مرمت میں بھی صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعینہ کھال اگر مسجد یا اوقاف کے کاموں میں لگا دی جائے تو جائز ہے مثلاً مسجد یا مدرسہ کے لیے ڈول بنا دیے جائیں۔

۲۔ بنو ہاشم کو بعینہ کھال دے دینا درست ہے پھر وہ خواہ اس کو بعینہ کام میں لائے یا

فروخت کر کے قیمت کام میں لائے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ بنو ہاشم کو دینا جائز ہے مگر کھال بیچ کر اس کی قیمت بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور وہ صدقات واجبہ کے مصرف نہیں۔

۳۔ قربانی کا گوشت کچا یا پختہ ہندو یا غیر مسلم کو دینا جائز ہے کیونکہ گوشت کا تصدق واجب نہیں پس وہ ہدیہ ہے یا صدقہ نافلہ اور یہ دونوں کا فر ذمی کو دینا درست ہے۔

قلت و المستامن فی حکم الذمي في ذلك و الحربي المسالم في حكم الذمي فافهم . و الله اعلم . (امداد الأحكام : ٤/ ٢٠٥)

عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں:

کان یا دم کا نصف یا اس سے زائد حصہ کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز نہیں۔

جس پاؤں میں عیب ہے اگر وہ زمین پر ٹیک کر کچھ سہارا لے کر چلتا ہے تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

آنکھ کی روشنی نصف یا اس سے کم باقی رہ گئی ہو تو قربانی جائز نہیں۔

اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو دو تین دن بھوکا رکھ کر پھر عیب دار آنکھ کو باندھ کر دور سے چارا دکھاتے ہوئے قریب لائیں، جہاں سے جانور کو نظر آ جائے وہاں نشان کر دیں، پھر صحیح آنکھ کو باندھ کر یہی عمل دہرائیں، پھر دونوں مسافتوں کی نسبت معلوم کر لیں، اگر فرق نصف یا اس سے زائد ہے تو قربانی جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : لا بالعمياء و العوراء و العجفاء و المهزولة لامخ فی عظامها و العرجاء التي لا تمشي الى المنسك اي المذبح و المريضة البين مرضها و مقطوع أكثر الأذن أو الذنب أو العين اي التي ذهب أكثر نور عينها فاطلق القطع على الذهاب مجازا و انما يعرف بتقريب العلف .

و قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله و العرجاء) اي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الارض و تستعين بها جازا عناية (قوله الى

المنسك) بكسر السين والقياس الفتح (قوله ومقطوع أكثر الاذن الخ) في البدائع لو ذهب بعض الاذن او الالية او الذنب او العين ذكر في الجامع الصغير ان كان كثيرا يمنع وان يسيرا لا يمنع واختلف اصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير فعن ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ اربع روايات روي محمد رحمه الله تعالىٰ في الاصل والجامع الصغير ان المانع ذهاب اكثر من الثلث وعنه انه الثلث وعنه انه الربع وعنه ان يكون الذاهب اقل من الباقي او مثله اهـ بالمعنى والاولى هي ظاهر الرواية صححها في الخانية حيث قال والصحيح ان الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى اهـ ومشي عليها في مختصر الوقاية والاصلاح والرابعة هي قولهما قال في الهداية وقالا إذا بقي الأكثر من النصف اجزأه وهو اختيار الفقيه ابى الليث وقال ابو يوسف رحمه الله تعالىٰ اخبرت بقولي ابا حنيفة رحمه الله تعالىٰ فقال قولي هو قولك وقيل هو رجوع منه الى قول ابي يوسف رحمه الله تعالىٰ وقيل معناه قولي قريب من قول وفي كون النصف مانعا روايتان عنهما اهـ وفي البزازية وظاهر مذهبما ان النصف كثير اهـ وفي غاية البيان ووجه الرواية الرابعة وهي قولهما واليها رجع الامام ان الكثير من كل شيء اكثر وفي النصف تعارض الجانبان اهـ اي فقال بعدم الجوازاحتياطا بدائع وبه ظهران ما في المتن كالهداية والكنز والملتقي هو الرابعة وعليها الفتوىٰ كما يذكره الشارح عن المجتبي وكأنهم اختاروها لان المتبادر من قول الامام السابق هو الرجوع عما هو ظاهر الرواية عنه إلى قولهما والله تعالىٰ اعلم .

(ردالمحتار : ٢٠٦/٥) (أحسن الفتاوىٰ : ٥١٧/٧)

دونوں کانوں کا مقطوعہ حصہ شمار ہوگا:

اگر بکری یا دنبے کے دونوں کا اتنا حصہ کٹا ہوا ہو کہ مجموعہ نصف یا اس سے زائد ہو جائے تو

قربانی کرنا خلاف احتیاط ہے، اگر کسی نے کردی تو ہوجائے گی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : في البزازية وهل تجمع الخروق في اذني الاضحية اختلفوا فيه قلت وقدم الشارح في باب المسح على الخفين انه ينبغي الجمع احتياطا .

(ردالمحتار : ٥/٢٠٦)

قربانی کے ایام گزر گئے تو قیمت واجب ہے:

اگر قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہیں کی تو اب جانور ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی بلکہ ایسے شخص پر لازم ہے کہ ایک متوسط بکرے کی قیمت صدقہ کرے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : وتصدق بقيمتها غني شراها اولا لتعلقها بذمته شراها اولا فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزي فيها . (ردالمحتار : ٥/٢٠٤)

مال حرام پر قربانی واجب نہیں:

اگر کسی کی ملک میں صرف حرام مال ہے مثلاً سودی رقم یا رشوت کی کمائی وغیرہ تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں کیونکہ حرام مال تو سارا ہی صدقہ کرنا واجب ہے لہٰذا قربانی واجب نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : في القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوٰة لان الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه اهـ ومثله في البزازية .

(ردالمحتار : ٢/٢٥)

زمین کی وجہ سے قربانی واجب ہونے کی تفصیل:

اگر مقدارِ معاش سے زائد زرعی وغیر زرعی زمین کی قیمت اور پیداوار کا مجموعہ کوئی ایک بقدرِ نصاب ہو تو قربانی واجب ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ معزيا إلى التتارخانية سئل محمد رحمه الله تعالىٰ عمن له ارض يزرعها او حانوت

یستغلها او دار غلتها ثلاثة ألاف ولا تكفي لنفقته ولنفقة عياله سنة؟ يحل له اخذ الزكوٰة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوىٰ عندهما لا يحل اهـ. (ردالمحتار: ٢/٦٥)

وقال ايضاً: ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قوت شهر فمتى فضل نصاب تلزمه ولو العقار وقفا فإن وجب له في ايامها نصاب تلزم.

(ردالمحتار: ٥/١٩٨)(ماخوذ از أحسن الفتاوىٰ: ٧/٢٠٥)

مقروض پر قربانی واجب ہونے کا حکم:

اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور قربانی کے ایام میں اس کی ملک میں کچھ مال بھی ہو تو نصاب سے قرض وضع کرنے کے بعد اگر نصاب میں نقص نہیں آتا، نصاب کامل باقی رہتا ہے تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ نصاب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالىٰ: ولو كان عليه دين بحيث لو صرف إليه بعض نصابه لاتنقص نصابه لا تجب لان الدين يمنع وجوب الزكاة فلأن يمنع وجوب الاضحية اولى لان الزكاة فرض والاضحية واجبة والفرض فوق الواجب. (بدائع: ٥/٦٤)

قربانی کے گوشت سے پہلے کھانا، پینا:

قربانی کے دن جس کو گوشت ملنے کی امید ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ صبح کچھ نہ کھائے پیے بلکہ پہلا کھانا گوشت سے ہو خواہ اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو بہر حال قربانی کے گوشت سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے، چائے بھی نہ پیے، کیونکہ چائے میں دودھ اور شکر کی وجہ سے غذائیت ہے۔

یہ حکم صرف مستحب ہے، اس کے خلاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وندب تأخير أكله عنها وإن لم يضح في الاصح ولو اكل لم يكره اي تحريما.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله في الاصح)

وقيل لا يستحب التأخير المستحب ثبوت الكراهة إذلا بدلها من دليل خاص . (ردالمحتار : ١/٥٦٢)

وقال في الهندية : وفي الكبرى الاكل قبل الصلوٰة يوم الأضحى هل هو مكروه فيه روايتان والمختار انه لا يكره لكن يستحب له ان لا يفعل كذا فى التتارخانية ، ويستحب ان يكون اول تناولهم من لحوم الاضاحى التي هي ضيافة اللّٰه كذا فى العيني شرح الهداية .

(عالمگيرية : ١/١٥٠) (ماخوذ از أحسن الفتاوىٰ : ٧/٥٢٠ بتغير يسير)

قربانی کے جانور کو کام میں لانے کا حکم:

کسی نے قربانی کے لیے بیل خریدا، ابھی قربانی میں چند ایام باقی ہیں، اب اس سے ہل جوتنا یا اجرت پر دینے کے جواز وعدم جواز دونوں قول ہیں اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں، الاول اوسع وایسر والثانی احوط واشہر۔

اس قول ثانی کے مطابق کسی نے ہل جوتنے میں بیل کو استعمال کیا تو اس سے قیمت میں جو کمی آئی اس کا اندازہ کر کے صدقہ کرنا واجب ہے اور اجرت پر دینے کی صورت میں اجرت کا تصدق واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه اللّٰه تعالىٰ : ولا يركبها ولا يحمل عليها شيئا لا يؤجرها فإن فعل تصدق بالاجرة حاوي الفتاوىٰ لانه التزم اقامة القربة بجميع اجزائها .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ : (قوله فإن جزه تصدق به الى قوله حاوي الفتاوىٰ) يوجد فى بعض النسخ قوله فإن فعل تصدق بالاجرة اي فيما لو أجرها واما إذا ركبها او حمل عليها تصدق بما نقصته كما في الخلاصته .

جانور کے دانت گرنے کا حکم:

اگر قربانی کے جانور کے اکثر دانتوں کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر کا اعتبار نہیں، بلکہ معیار یہ ہے کہ جانور گھاس

کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں، کیونکہ دانتوں سے مقصود یہی ہے۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : ولا بالهتماء التي لا اسنان لها ويكفي بقاء الاكثر وقيل ما تعتلف به .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله وقيل ما تعتلف به) وهو وما قبله روايتان حكاهما في الهداية عن الثاني وجزم في الخانية بالثانية وقال قبله والتي لا اسنان لها وهي تعتلف اولا تعتلف لا تجوز . (ردالمحتار : ٢٠٦/٥)

وقال الإمام الكاساني رحمه الله تعالىٰ : واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت والا فلا وذكر في المنتقي عن ابي حنيفة رحمه الله تعالىٰ انه إن كان لا يمنعها عن الاعتلاف تجزيه وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب في جوفها صبا لم تجزيه . (بدائع الصنائع : ٧٥/٥)

وقال في الهندية : واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فإن كانت ترعى و تعتلف جازت والا فلا كذا في البدائع .

(عالمگیرية : ٢٩٨/٥) (أحسن الفتاوىٰ : ٥١٤/٧)

مشرک کی شرکت سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی:

کسی مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے شخص کی شرکت سے دوسرے شرکاء کی قربانی نہ ہونے کے متعلق ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: اضحیہ کے شرکاء میں سے ایک شریک بریلوی ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیب جانتے ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، حضور اکرم ﷺ اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، بیماری اور صحت، عزت اور اولادان کے اختیار میں ہے، اسی بناء پر وہ قبور اولیاء پر اپنی حاجات پوری کرنے کے لیے منتیں مانتا ہے اور نذریں اور چڑھاوے پیش کرتا ہے، کیا ایسا شخص اضحیہ میں شریک ہو جائے تو دوسرے شرکاء کی قربانی ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب: ایسا شخص مشرک ہے اس کے ساتھ اضحیہ میں شرکت جائز نہیں جو لوگ اس کے ساتھ

شریک ہوں گے ان میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۵۱۰)

یہ حکم ہر بدعتی کا نہیں ہے بلکہ صرف اس بدعتی کا ہے جس کا مذکورہ بالا مشرکانہ عقائد ہوں۔ جس بدعتی کے ایسے مشرکانہ عقائد نہ ہوں، محض تیجہ، چالیسواں وغیرہ بدعات انجام دیتا ہو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی شریک نہ کیا جائے تاہم اگر کرلیا تو اس سے دوسرے شرکاء کی قربانی میں فرق نہیں پڑیگا۔

میت کی طرف سے قربانی کا حکم:

اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تو اس کے حصہ کا گوشت فقراء کو دینا لازم ہے اس میں سے خود کھانا جائز نہیں اور اگر میت نے وصیت نہیں کی بلکہ عزیز واقارب ایصالِ ثواب کے لیے میت کی طرف سے قربانی کریں تو اس کا حکم اپنی قربانی کی طرح ہے۔

كما في الشامية ٥/٣٢٨ لو ضحى عن الميت وارثه بامره الزمه بالتصدق بها وعدم الاكل وإن تبرع بها عنه له الأكل لانه يقع على ملك الذابح والثواب للميت . (امداد الأحكام: ٤/٢٣٦)

حاجی پر وجوب قربانی کی تفصیل:

جو حاجی آٹھ تاریخ کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصہ مقیم رہا ہو تو اس کے ذمہ حج کی قربانی کے علاوہ مال کی قربانی بھی واجب ہوگی اور جو ایسا نہ ہو یعنی مقیم نہ ہو تو چونکہ مسافر کے ذمہ قربانی واجب نہیں اس لیے مسافر حاجی پر مال کی قربانی واجب نہیں صرف حج تمتع یا قران کی قربانی واجب ہوگی۔

قربانی کے بجائے صدقہ کرنا جائز نہیں:

بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ قربانی کے دنوں میں تو بہت جانور ذبح ہوتا ہے ہر ایک کو گوشت مل ہی جاتا ہے لہٰذا قربانی کے بجائے اگر نقد صدقہ کیا جائے تو بہتر ہوگا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا ہی عبادت ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عمل ابن ادم من عمل يوم النحر احب إلى الله من اهراق الدم وانه ليأتي يوم القيامة بقرونها واشعارها واظلافها وإن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع بالارض فطيبوا بها نفسا رواه

الترمذي و ابن ماجه . (مشکوٰة : صـ ۱۲۸)

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت اور ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے تو خوب خوشی اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

لہٰذا قربانی کے بجائے اس رقم کو صدقہ کرنا جائز نہیں اگر کسی نے صدقہ کر دیا تو اس سے قربانی ساقط نہیں ہوگی بلکہ دوبارہ قربانی کرنا لازم ہوگا اگر ایام قربانی ختم ہو گئے تو ایک متوسط بکرے کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

منت کی قربانی:

جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے اور یہ قربانی بھی قربانی کے دنوں میں کرے، ہاں اگر قربانی سے صرف ذبح کرنا مراد ہو تو بعد میں بھی نذر پوری کی جا سکتی ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت فقراء میں تقسیم کرے، خود استعمال کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مالداروں کو کھلانا بھی جائز نہیں۔

(بهشتی زیور)

خنثیٰ جانور کی قربانی کا حکم:

خنثیٰ جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اس کا گوشت پکتا نہیں ہے یہ گوشت کے اندر عیب ہے اور عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اس لیے خنثیٰ کی قربانی جائز نہیں۔

ولا بالخنثى لأن لحمها لا تنضج شرح وهبانية .

قال الشامي : وبهذا التعليل اندفع ما اورده ابن وهبان من انها لا تخلوا اما أن تكون ذكرا أو انثى وعلى كل تجوز . (٣١٧/٥)

اور اگر علامت ذکر یا انثیٰ غالب ہو تو قربانی جائز ہے۔ کیونکہ وہ خنثیٰ نہیں۔

(امداد الاحکام : ٤/ ٢٧٠)

کمزور جانور کا حکم:

اگر جانور اتنا دبلا ہو جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے اور

استاد بلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ولا تجوز العجفاء التي لا تنقى فإن كانت فيها مهزولة فيها بعض الشحم جار . (فتاوىٰ هندية : ٦/٣٠٠)

بے سینگ جانور کی قربانی:

جس جانور کی پیدائشی سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اس کی قربانی درست ہے البتہ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔

ويضحى بالجماء هي التي لا قرن لها خلقية و كذلك العظماء ، التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره فإن بلغ الكسر اى المخ لم يجز . (ردالمحتار : ٥/٣١٥)

قربانی کا جانور گم ہو گیا:

اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اس لیے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے۔ دونوں میں سے خواہ کسی کی قربانی کر دے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں اگر کم ہو تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو صدقہ کر دینا مستحب ہے اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو دونوں جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی۔ (بہشتی زیور)

ولو ضلت او سرقت فاشترىٰ اخرىٰ ثم ظهرت الاولىٰ فى ايام النحر على الموسر ذبح احدهما وعلى الفقير ذبحهما .

(شرح البداية : ٤/٤٤٦)

اکیلا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا:

قربانی کے لیے کسی نے جانور خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی شریک کر لیں گے اور مشترکہ قربانی کریں گے اس کے بعد کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے یعنی سات آدمیوں کے سات حصے ہو گئے تو یہ قربانی درست ہے، اگر جانور خریدتے وقت کسی کو شریک

کرنے کی نیت نہیں تھی بلکہ پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کو شریک کرنا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو دیکھنا چاہیے جس نے شریک کیا ہے وہ آدمی امیر ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں اگر امیر ہے تو شریک کرنا درست ہے اگر غریب ہے تو درست نہیں، یعنی غریب آدمی کے لیے خریدے ہوئے جانور میں کسی کو شریک کرنا درست نہیں لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو شریک ہونے والے کی قربانی ہو جائے گی البتہ غریب پر اس حصہ کا ضمان لازم ہے اس طرح کہ اگر قربانی کے ایام باقی ہوں تو دوسری قربانی کر دے ورنہ وہ رقم صدقہ کر دے۔

وكذا لو اشترك فيها ستة بعد ما اوجبها لنفسه لم يسعه لانه اوجبها كلها لله وإن اشرك جاز ويضمن ستة اسباعها وقيل في الغني انه يتصدق بالثمن . (عالمگیري : ٥/٣٣٧)

قربانی کا گوشت وزن کر کے تقسیم کرنا:

اگر گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوئے تو گوشت تقسیم کرتے وقت اندازہ سے تقسیم نہ کرے بلکہ برابر وزن کر کے تقسیم کرے کیونکہ اگر کسی کے حصہ میں گوشت زیادہ چلا گیا تو یہ سود کے حکم میں ہو کر عظیم گناہ ہوگا اس زائد گوشت کا کھانا بھی جائز نہیں، ہاں البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے بھی شامل کر لیے تو اب اندازہ سے تقسیم کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ سری پائے ہر حصہ میں ہوں۔

ويقسم اللحم وزنا لا جزافا الا اذا ضم معه من الاكارع او الجلد . (الدر المختار : ٥/٣١٠)

تہائی گوشت صدقہ کرنا مستحب ہے:

قربانی کے گوشت میں اختیار ہے کہ خود کھائے رشتہ داروں کو کھلائے فقراء مساکین پر صدقہ کرے البتہ تہائی گوشت تک صدقہ کر دینا یہ مستحب طریقہ ہے، لیکن اگر کوئی پورا گوشت ہی اپنے گھر میں رکھ لے اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

ويأكل من لحم الاضحية ويؤكل غنيا وندب الافضل تصدق من الثلث . (درمختار : ٥/٣٢٠)

فقیر پورا گوشت اپنے گھر رکھے:

اگر کسی غریب آدمی نے قربانی کی اور اس کے بچے زیادہ ہیں تو اس کے لیے مستحب یہی ہے کہ پورا گوشت اپنے گھر رکھ لے، کیونکہ قربانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے جانور ذبح کرنا وہ مقصد تو حاصل ہوگیا۔

وقد نص على ذلك الفقهاء فقالوا: ويستحب لمن كان فقيراً أن يتركها كلها لعياله توسعة عليهم.

وقوله عليه السلام: كنت نهيكم عن لحوم الاضاحي فوق ثلاث ليتسع ذو الطول - اي السعة - على من لا طول به. فكلوا ما بدا لكم، واطعموا وادخروا. (أخرجه الترمذي رقم: ١٥١٠)

نابالغ بچے پر قربانی واجب نہیں:

نابالغ بچہ اگر مالدار ہو اس پر قربانی واجب نہیں لہٰذا والد یا وصی نابالغ بچے کے مال سے قربانی نہ کرے۔

وليس للاب أن يفعله من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت هو المعتمد لما في المتن مواهب الرحمن من انه اصح ما يفتى به.

(در مختار مع الشامية: ٥/٢٧٦)

عشرۂ ذی الحجہ ناخن وغیرہ نہ کاٹنا:

جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کے چاند نظر آنے کے بعد سے قربانی ہو جانے تک جسم کے بال صاف نہ کرے اور ناخن وغیرہ نہ کاٹے۔

قال العلامة الصابوني: كما يستحب لمن يريد أن يضحي، ألا يأخذ من شعره وأظفاره شيئا، إذا دخل العشر الأول، من شهر ذي الحجة، لما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:

"إذا دخل العشر - أي من أول شهر الحجة - وأراد أحدكم أن يضحي، فلا يأخذن شعرا، ولا يقلمن ظفرا" أي يقص أظافره.

(أخرجه مسلم من حديث ام سلمه رقم ١٩٧٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو وہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بال ناخن نہ کاٹے۔ باقی اس حکم کا مستحب ہونا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

وهذا ليس على سبيل الوجوب ، وإنما هو للاستحباب ، والحكمة منه أن تبقى كامل الأجزاء في البدن ، لتعتق من النار ، حيث ورد أن الله يعتق بهذه الأضحية ، جسد المؤمن من نار جهنم ، وأن له بكل شعرة منها حسنة ، فهذا كله على سبيل الندب والاستحباب .

روى الإمام الترمذي في سننه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال : " من رأى هلال ذي الحجة ، وأراد أن يضحي ، فلا يأخذن من شعره ، ولا من أظفاره . "

(أخرجه الترمذي في كتاب الاضاحى : رقم : ١٥٤٣

قال الترمذي : وهذا قول بعض أهل العلم . وإليه ذهب أحمد و إسحاق ، ورخص بعض أهل العلم في ذلك ، فقالوا : لا بأس أن يأخذ من شعره وأظفاره ، وهو قول الشافعي ، واحتج بحديث عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث بالهدي من المدينة ، فلا يجتنب شيئا مما يجتنب منه المحرم . تعني أنه يفعل كل شيء مباح ، ومنها نظافة البدن وتقليم الأظافر . (سنن ترمذي : ١٠٢/٤)

ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں؟

چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہو کر آنحضرت ﷺ کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ قربانی درست ہو گی یا نہیں اس سلسلہ میں حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وفي الدر المختار قال : ان مات احد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل ولو ذبحوها بلا اذن الورثة لم يجزهم .

(درمختار مع الشامي : ٥/٢٨٤)

روایتِ مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہوگیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو منتقل ہوگیا اور اس حصہ کے ورثاء مالک بن گئے اور انہوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دے دی تو سب کی قربانی درست ہوگئی اسی طرح صورتِ مسئولہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور اکرم ﷺ کے لیے کر دیا تو درست ہونا چاہیے، دوسرے علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔

(فتاویٰ رحیمیه قدیم : ١/٩٠)

بچہ کے عقیقہ کا شرعی حکم:

مذہب حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (رواجی نہیں) اسلامی طریقہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بدعت اور مکروہِ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور افتراء ہے، مالا بدمنہ میں ہے:

"بدانکہ عقیقہ نزد امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ واحمد رحمہ اللہ سنتِ مؤکدہ است وبروایئے از امام احمد رحمہ اللہ واجب ونزد امام اعظم رحمہ اللہ مستحب وقول بہ بدعت بودنش افتراء است برامام ہمام۔"

ترجمہ: جان لو کہ عقیقہ امام مالک رحمہ اللہ وامام شافعی رحمہ اللہ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور امام احمد کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام ہمام پر افترا ہے۔

(ضميمه مالا بد منه : صـ ١٧٨)

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات وامراض سے حفاظت کے لیے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کو پیدا ہو تو جمعرات کو اور جمعرات کو پیدا ہو تو بدھ کو) لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کردے اور لڑکے کے سر پر زعفران لگائے یہ تمام باتیں مستحب ہیں، حدیث سے ثابت ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق راسه .

(ترمذي شريف: ١/ ١٨٣)

ترجمہ: بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہٰذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کر لیا جائے نیز اس کا سر منڈوایا جائے، مرہون کے بہت سے مطلب بیان کیے گئے ہیں، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ بچہ ماں باپ کے لیے سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا لیکن اگر حیثیت کے باوجود عقیقہ نہیں کیا اور بچپن ہی میں بچہ کا انتقال ہو گیا تو ماں باپ کے لیے شفاعت نہیں کرے گا، گویا جس طرح گروی رکھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی، یہ بچہ بھی ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔

عقیقہ کیے بغیر بچہ سلامتی نیز خیر و برکات سے محروم رہتا ہے۔ یعنی جب تک عقیقہ نہ ہو مرض کے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔

عقیقہ کیے بغیر بچہ اذی یعنی پلیدی میل کچیل وغیرہ میں مبتلا اور صفائی سے دور رہتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

مع الغلام عقيقة فاهر يقوا عنه دما واميطوا عنه الاذى.

(بخاري شريف: ٢/ ٨٢٢)

نیز حدیث شریف میں ہے:

عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه: قال عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاةٍ وقال يا فاطمة احلقي راسه وتصدقي بزنة شعره فضةً فوزنته فكان وزنه درهماً او بعض الدرهم.

(ترمذي: ١/ ١٨٣)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک بکرا ذبح کر کے امام حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہ کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعمیل کی بالوں کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔ (حوالہ مذکورہ)

عن ابي بردة يقول كنا في الجاهلية إذا ولد لاحدنا غلام ذبح شاة ولطخ راسه بدمها فلما جاء الله بالإسلام كنا نذبح شاة ونحلق راسه ونلطخه زعفران. (ابو داود شريف: ٢/ ٣٧)

یعنی حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں (قبل از اسلام) بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں۔ نیز بچہ کا سر مونڈھتے ہیں اور اس کے سر پر زعفران لگاتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

عن أم كرز رضي الله عنها قالت سمعت ـ يقول صلى الله عليه وسلم عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لا يضركم ذكراناً كن ام اناثاً . (ابو داؤد : ۳٦/۲)

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکرا ہو یا بکری۔

(ماخوذ از فتاوی رحیمیہ قدیم : ۹۰/۱)

عقیقہ کی مدت:

عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے جیسا کہ گزشتہ فتویٰ میں حدیث نمبر 1 میں آیا ہے کہ اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔ (طبرانی)

بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے اور بہت سے علماء نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پچاس برس کی عمر میں عقیقہ کیا ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ضعیف ہے، نیز یہ ایک مجبوری کی صورت ہوگی، یہاں پر تو بلا عذر مہینوں بلکہ برسوں تک ٹالتے رہتے ہیں اور گھر میں کسی کی شادی ختنہ وغیرہ رواج کی راہ دیکھتے ہیں اور ساتویں دن کا لحاظ بھی نہیں ہوتا، اس کے خلاف مستحب ہونے میں کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیے لہٰذا ساتویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں روز کرے بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔

(ماخوذ از فتاوی رحیمیہ قدیم : ۹۲/۱)

عقیقہ کی دعا:

عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعاء پڑھے:

اللهم هذه عقيقة ابني ...... (اسم ولد) دمها بدمه وعظمها وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابني (اسم ولد).

نوٹ: لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مونث بنادے۔ جیسے: اللهم هذه عقيقة بنتي (لڑکی کا نام) دمها بدمها وعظمها بعظمها وجلدها بجلدها و شعرها بشعرها اللهم اجعلها فداء لبنتي (لڑکی کا نام) والد کے علاوہ دوسرا کوئی آدمی ذبح کرے تو ابنی یا ابنتی کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ دعا مذکورہ کے ساتھ انی وجهت سے وانا من المسلمين تک پڑھے اور اللهم منك ولك پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور:

جو جانور عقیقہ کی نیت سے خریدا گیا ہے اس کا عقیقہ ہی کرنا ضروری ہے یا اس کو کسی اور کام میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقیقہ کی نیت سے جو جانور خریدا گیا ہے اس کا ذبح کرنا واجب نہیں، جس کام میں چاہیں لے آئیں۔

لأن الشراء بنية العقيقة وإن كان بمعنى النذر ولكن يشترط لانعقاد النذر أن يكون المنذور عبادة مقصودة .

قال في الدر : وكان من جنسه واجب اي فرض كما سيصرح به تبعاً للبحر والدرر . وهو عبادة مقصودة اهـ .

قال الشامي : الضمير راجع للنذر بمعنى المنذور إلى أن قال فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لاما كان من جنسه اهـ .

(۱۰۴/۳)

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية : ثم إذا أراد أن يعق عن الولد فإنه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة لانه إنما شرع للسرور بالمولود وهو بالغلام أكثر اهـ . (۲۱۲/۲) وهذا يدل على كونها عبادة غير مقصود فافهم .

(ماخوذ إمداد الأحكام)

باب النذر

منت ماننے کا بیان

کسی شخص نے ایسی عبادت کی نذر مانی جس کی جنس سے فرض یا واجب عبادت ہے اور جس کام کے لیے نذر مانی تھی وہ کام پورا ہو گیا تو اب منت کا پورا کرنا واجب ہے اگر پوری نہ کرے تو سخت گناہ ہوگا۔

لقوله تعالیٰ : ﴿ ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم ﴾

(حج : ۲۹)

اور چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں۔ (خواہ نذر سے قربانی وغیرہ واجب کر لی ہو یا بلا نذر جو افعالِ حج واجب ہیں)

وروي البخاري أن ابن عمر رضي الله عنه قال يا رسول الله ! اني نذرت في الجاهلية أن اعتكف ليلة في المسجد الحرام فقال له صلى الله عليه وسلم : اوف نذرك . (أخرجه البخاري : ۱۵۹/٤)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایامِ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

وقوله عليه السلام : من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه . (أخرجه البخاري : ۱۵۹/٤)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی عبادت کی نذر مانی وہ نذر پوری کرے، اور جس نے گناہ کی نذر مانی وہ پوری نہ کرے۔ (یعنی اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے)

نذر کی شرائط:

نذر منعقد ہونے کے لیے چند شرائط ہیں ان کے بغیر نذر منعقد نہیں ہوگی:

۱۔ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو، جیسے: نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ۔

۲۔ لہٰذا کسی گناہ کی نذر ماننے سے وہ نذر منعقد نہ ہوگی۔

لقوله عليه السلام من نذر أن يطيع الله فليطعه ، ومن نذر أن

معصيه فلا معصيه . (رواه البخاري)

٣۔ وہ نذر مملوکہ چیز میں ہو لہٰذا اگر کوئی نذر مانے کے ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے کی جبکہ وہ صرف ہزار درہم کا مالک ہے تو اس پر صرف ہزار درہم صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

لقوله عليه السلام : ولا وفاء لنذر في معصية ، ولا فيما لا يملك العبد . (اخرجه مسلم رقم ١٦٤١ في كتاب النذر)

٤۔ وہ عبادت نذر سے پہلے اس کے ذمہ شرعاً لازم نہ لہٰذا اگر کوئی یوں نذر مانے کہ میں میرا فلاں کام ہو جائے تو حج فرض ادا کروں گا تو یہ نذر منعقد نہ ہوگی اس کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

٥۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کی جنس سے واجب ہو۔

وفي شرح تنوير الأبصار قال : ومن نذر نذر امطلقا او معلقا بشرط وكان من جنسه واجب ـ أي فرض كما سيصرح به تبعاً للبحر والدرر ، وهو عبادة مقصودة ، الى ...... قوله ان لا يكون معصية لذاته فصح نذر صوم يوم النحر لانه لغيره وأن لا يكون واجبا عليه قبل النذر فلو نذر حجة الإسلام لم يلزمه شيء غيرها وأن لا يكون ما التزمه اكثر مما يملكه ملكا لغيره ، فلو نذر التصدق بألف ولا يملك الأمائة لزمه المائة فقط خلا انتهىٰ .

(ردالمحتار : ٧٣٧/٣)

دائمی روزہ کی نذر میں بوقتِ عجز فدیہ ہے:

کسی شخص نے نذر کی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہیں تو پھر یہ شخص فدیہ دیتا رہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے۔

قال في شرح التنوير : في آخر كتاب الصوم نذر صوم رجب (الى قوله) اوصوم الابد فضعف لاشتغاله بالمعيشة افطر وكفر كما مر ، وفي الشامية (قوله وكفر) أي فدي (قوله كما مر) اي في

الشيخ الفاني من أنه يعطم كالفطرة (ردالمحتار : ٢) وفي ايمان شرح التنوير ولو نذر صوم الابد فاكل لعذر فدى ، وفي الشامية : (قوله فاكل لعذر) و كذا لدونه ح (قوله فدي) اي لكل يوم نصف صاع من بر اوصاعاً من شعيروان لم يقدر استغفر الله تعالىٰ كما مر .

(ردالمحتار : ٣) (مأخوذ از احسن الفتاویٰ : صـ ٤٧٧)

نذر میں زمان ومکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں:

اگر کسی شخص نے نذر کی کہ فلاں چیز فقراءِ مکہ کو دوں گا اب وہ چیز فقراء مدینہ یا کسی اور جگہ کے فقیر کو بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی نذر اداء ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہٖ یہی چیز دینا لازم نہیں بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔

قال فی العلائية و النذر لا يختص بزمان و مكان و درهم وفقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز .

(ردالمحتار : ٢/١٣٧)

قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں:

اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قرآن خوانی کراؤں گا اب کام ہونے پر قران خوانی کرانا لازم نہیں کیونکہ قرآن خوانی کی مروّج رسم بدعت اور نا جائز ہے اس لیے اس کی نذر کرنا جائز نہیں۔

قال فی شرح التنوير وفی البحر و شرائطه خمس فزادان لا يكون معصية لذاته فصح نذر يوم النحر لأنه لغيره ، وفي الشامية قال فی الفتح واما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر فيجب ان يكون معناه إذا كان حراما لعينه او ليس فيه جهة قربة فان المذهب ان نذر صوم يوم العيد ينعقد ويجب الوفاء بصوم يوم غيره ولو صامه خرج

عن العهدة اهـ . (إلى قوله) ان ما كان فيه جهة العبادة يصح النذر به لما مر من انه يلزم الوفاء بالنذر من حيث هو قربة لا بكل وصف التزمه به فصح التزام الصوم من حيث هو صوم مع الغاء كونه في يوم العيد الخ . (ردالمحتار : ٣/٦٩)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حرام لغیر ہ کی نذر منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا ایفاء بطریق مباح واجب ہے۔

معہذا قرآن خوانی خواہ بطریق مباح ہی کیوں نہ ہو اس کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی ،اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب نہیں ،البتہ خود قراۃ قرآن کی جنس سے نماز میں تلاوت فرض ہے مگر قراءۃِ قرآن عبادۃِ مقصودہ نہیں۔

قال في العلائية ولو نذر التسبيحات دبر الصلوٰة لم يلزمه ، وفي الشامية وكذا لو نذر قراءة القرآن وعلله القهستاني في باب الأعتكاف بانها للصلوٰة وفي الخانية ولو قال على الطواف بالبيت والسعي بين الصفا والمروة او على ان اقرأ القرآن ان فعلت كذا لا يلزمه شيء اهـ قلت وهو مشكل فإن القراءة عبادة مقصودة ومن جنسها واجب وكذا الطواف فإنه عبادة مقصودة ايضاً ثم رأيت في لباب المناسك قال في باب انواع الاطوفة الخامس طواف النذر وهو واجب ولا يختص بوقت فهذا صريح في صحة النذر به .

(ردالمحتار : ٣/٧٠)

نماز کے بعد تسبیحات کی نذر کا حکم:

اگر کوئی شخص نماز کے بعد تسبیحات کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ احسن الفتاویٰ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے جس سے تفصیل واضح ہو جائے گی۔

سوال: ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اگر کسی نے یہ تسبیحات پڑھنے کی نذر کی تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں اور اگر درود شریف کی نذر کی تو واجب ہو

جاتی ہے، حوالہ شامیہ کا دیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو تسبیحات اور درود شریف میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا

جواب: تسبیحات اور درود شریف میں یہ فرق شامیہ میں نہیں درمختار میں ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی نے نذر تسبیحات کو بھی واجب الاداء قرار دیا ہے، صحت نذر کے لیے منذ ر کا عبادۃ مقصودہ ہونا اور اس کی جنس سے کسی فرد کا فرض یا واجب ہونا شرط ہے، نماز کے بعد والی تسبیحات عبادۃ مقصودہ ہیں اور یہاں لفظ تسبیحات تغلیبا تحمید وتکبیر کو بھی شامل ہے اور تحمید نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں فرض ہے اور تکبیر ابتداء نماز میں فرض ہے اور تکبیرات عیدین وتکبیرات تشریق واجب ہیں، اس لیے ان تسبیحات کی نذر صحیح ہے، اسی طرح درود شریف عبادۃ مقصودہ ہے اور عمر بھر میں ایک بار فرض ہے، اس لیے اس کی نذر بھی صحیح ہے، البتہ نذر تسبیحات میں اگر ''نماز کے بعد'' کی قید نہیں لگائی تو یہ نذر واجب نہیں، اس لیے کہ اس موقع پر لفظ تسبیحات تحمید وتکبیر کو شامل نہیں بلکہ صرف تسبیح ہی مراد ہے اور جنس تسبیح میں کوئی فرد فرض وواجب نہیں۔

نقل في شرح التنوير عن القنية لو نذر التسبيحات دبر الصلوٰة لم يلزمه ولو نذران يصلى على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كل يوم كذا لزمه وقيل لا ، وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ : (قوله ولو نذر التسبيحات) لعل مراده التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثا والثلاثين فى كل واطلق على الجميع تسبيحاً تغليباً لكونه سابقا وفيه اشارة الى انه ليس من جنسها واجب ولا فرض وفيه ان تكبير التشريق واجب على المفتى به وكذا تكبيرة الاحرام وتكبيرات العيدين فينبغي صحة النذر به بناء على ان المراد من الواجب هو المصطلح قلت لكن ما ذكره الشارح ليس عبارة القنية وعبارتها كما في البحر ولو نذران يقول دعاء كذا فى دبر كل صلوٰة عشر مرات لم يصح (قوله لزمه) لان من جنسه فرضا وهو الصلوٰة عليه صلى اللّٰه عليه وسلم مرة واحدة فى العمر وتجب كلما ذكر وإنما هي فرض عملى قال ح ومنه يعلم انه لا يشترط كون الفرض قطعياً (قوله وقيل

لا) لعل وجهه اشتراط كون الفرض قطعيا ح (ردالمحتار: ٣: ٧٠)

(أحسن الفتاوی: ٥/ ٤٨١)

نذرِ ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے:

ایک شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو ایک بکرا ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کروں گا اب کام ہونے پر بکرا ہی ذبح کرنا ضروری نہیں بلکہ اس بکرے کی قیمت کا تصدق بھی جائز ہے کیونکہ اضحیہ کے سوا نذرِ ذبح سے نذرِ تصدقِ لحم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لیے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبادتِ مقصودہ نہیں، جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق لحم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کردے یا اس کی قیمت صدقہ کردے یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز۔

قال في شرح التنوير نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز ان ساوي العشرة كتصدقه بثمنه.

(ردالمحتار: ٣/ ٧٢)

یعنی اس شخص نے نذر مانی کہ دس درہم کی روٹی صدقہ کرے گا، پھر روٹی کے بجائے دس درہم کے چاول صدقہ کردیے یہ بھی جائز ہے، جیسے روٹی کی قیمت صدقہ کرنا جائز ہے۔

فائدہ: بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نذر میں زمان، مکان اور درہم وفقیر وغیرہ کی تعیین سے نذر ان قیود سے مختص نہیں ہوتی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو بحکم نذر ہونے کی وجہ سے بعینہ اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، تبدیل کرنا جائز نہیں، اس صورت میں اختصاصِ نذر کیوں ہوا؟

وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ نذر تضحیہ میں فعل منذور یعنی ذبح کا اثر حسی حیوان میں پایا جاتا ہے اور نذرِ تصدق میں مسمی میں فعل منذور یعنی تصدق کا کوئی اثر حسی نہیں پایا جاتا۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

شیرینی تقسیم کرنے کی نذر:

کسی نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو بچوں کو شیرینی تقسیم کروں گا تو کام پورا ہونے پر

یہ شیرینی تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ الفاظ نذر میں بچوں میں سے اغنیاء کی تخصیص نہیں، اس لیے یہ اغنیاء وفقراء سب کو شامل ہے اور تصدق علی الفقیر عبادت مقصودہ ہے، لہٰذا یہ نذر صحیح ہے اور واجب الاداء ہے اور الفاظِ نذر میں نہ تو شیرینی کی کوئی مقدار یا قیمت متعین کی گئی ہے اور نہ ہی بچوں کی تعداد بیان کی گئی ہے، اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقۃ الفطر سے دس گناہ زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه اللّٰه تعالىٰ : قال على نذر ولم يزد عليه ولا نية له فعليه كفارة يمين ولو نوي صياماً بلا عدد لزمه ثلاثة ايام ولو صدقة فاطعام عشرة مساكين كالفطرة ، وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ (قوله لزمه ثلاثة ايام) لان ايجاب العبد معتبر بايجاب اللّٰه تعالىٰ وادنى ذلك فى الصيام ثلاثة ايام فى كفارة اليمين بحر عن الولوالجية (قوله ولو صدقة) اي بلا عدد (قوله كالفطرة) اي لكل مسكين نصف صاع برو كذا لو قال للّٰه على اطعام مسكين لزمه نصف صاع بر استحسانا وان قال للّٰه على ان اطعم المساكين على عشرة عند ابي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ فتح .

(ردالمحتار : ۷۳/۳)

وفي شرح التنوير نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها لما تقرر فى كتاب الصوم ان النذر غير المعلق لا يختص بشيء نذران يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جازان ساوي العشرة كتصدقه بثمنه ، وفي الشامية تحت (قوله لما تقرر فى كتاب الصوم) قلت وكما لا يتعين الفقير لا يتعين عدده ففي الخانية اي زوجت بنتي فالف درهم من مالي صدقة لكل مسكين درهم فزوج ودفع الالف الى مسكين جملة جاز . (ردالمحتار : ۷۲/۳)

(ماخوذ از أحسن الفتاوىٰ : ۴۸۳/۵)

نذرِ معلق میں صیغۂ التزام ضروری نہیں:

نذر معلق میں صیغۂ التزام ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احسن الفتاویٰ ۴۸۴/۵ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: زید کی بھینس کا پاؤں ٹرک میں پھنس گیا، نہ نکل سکا، زید نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری بھینس کا پاؤں صحیح سلامت نکل جائے تو دس روپے اللہ واسطے دوں گے، صرف اللہ واسطے کا لفظ کہا، منت یا نذر وغیرہ کچھ نہیں کہا تو یہ نذر کے حکم میں ہے یا نفلی صدقات کے حکم میں ہوگا؟

بینوا توجروا

جواب: ایسے الفاظ عرفاً نذر کیلئے مستعمل ہیں، اس لیے یہ نذر لازم اور واجب التصدق ہے۔

فإن الأيمان مبنية على العرف ، قال فى العلائية فإن الآيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين وما لا فلا .

(ردالمحتار : ۵۲/۳)

والنذر في حكم اليمين كما في الشامية تحت (قوله ومن نذر نذرا مطلقاً) و انما ذكروا النذر في الايمان لما يأتي من انه لو قال على نذر ولا نية له لزمه كفارة و مر فى آخر كتاب الصيام انه لو نذر صوماً فإن لم ينو شيئا او نوي النذر فقط او نوي النذر وان لا يكون يميناً كان نذرا فقط وان نوي اليمين وان لا يكون نذرا كان يمنياً وعليه كفارة أن افطر وان نواهما او نوي اليمين كان نذرا ويمينا حتى لو افطر قضى و كفر ومر هناك الكلام فيه. (ردالمحتار : ۶۸/۳)

وايضاً فيهما (قوله لان المبهج ليس من جنسه فرض الخ) هذا التعليل لصاحب البحروينا فيه مافي الخانية قال ان برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شئ إلا ان يقول فلله على ان اذبح شاة اهـ . وهي عبارة متن الدرر وعللها في شرحه بقوله لان اللزوم لا يكون الا بالنذر والدال عليه الثاني لا الاول اهـ فافادان عدم الصحة لكون الصيغة المذكوره لا تدل على النذر اي لان قوله ذبحت شاة

وعد لا نذر و يؤيده مافي البزازية لو قال ان سلم ولدي اصوم ما عشت فهذا وعد لكن في البزازية ايضا ان عوفيت صمت كذا لم يجب ما لم يقل لله تعالىٰ علي وفي الاستحسان يجب ولو قال ان فعلت كذا فانا أحج ففعل يجب عليه الحج اهـ فعلم أن تعليل الدرر مبني على القياس والاستحسان خلافه وينا فيه ايضاً قول المصنف على شاة اذبحها وعبارة الفتح فعلى بالفاء في جواب الشرط اذلا شك ان هذا ليس وعد اولا يقال انما لم يلزمه لعدم قوله لله علي لان المصرح به صحة النذر بقوله لله علي حجة او علي حجة .

(ردالمحتار : ۷۲/۳)

تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں:

کسی شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو چالیس دن تبلیغ میں جاؤں گا تو کام ہونے پر اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ صحتِ نذر کے لیے یہ شرط ہے کہ منذور عبادتِ مقصودہ ہو، تبلیغ عبادتِ مقصودہ نہیں اس لیے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے۔

قال فی التنویر ومن نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة ووجدا الشرط لزم الناذر .

(ردالمحتار : ۶۸/۳) (هكذا في أحسن الفتاوىٰ)

باقی جانا واجب نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جانا کوئی گناہ کا کام ہے، بلکہ مناسب یہی ہے کہ کام پورا ہوا تو اپنا ارادہ بھی پورا کرے۔

مدرسہ میں رقم دینے کی نذر:

اگر کوئی شخص اس طرح نذر مانے کہ فلاں کام ہوگیا تو فلاں مدرسہ کو اتنی رقم دوں گا تو کام ہونے کے بعد مدرسہ کو اتنی رقم دینا لازم ہوگا کیونکہ مدرسہ کو دینے کے عرفاً دو معنیٰ ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ مدرسہ میں وقف کردوں گا، دوسرے یہ کہ مساکین طلبہ مدرسہ کے لیے دوں گا بہرصورت نذر منعقد اور واجب الاداء ہے کیونکہ وقف بھی جنس واجبات میں سے ہے کہ کم از کم مسجد کا وقف کرنا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے اور صدقہ مساکین بھی جنس واجبات میں سے ہے لہٰذا یہ نذر منعقد ہو

گئی اگر چہ مساکین کی نیت اور تصریح نہ کرے اسی طرح اگر یہ نذر کی کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو یہ گائے ذبح کر کے اللہ واسطے دوں گا تو یہ نذر بھی صحیح ہے اور منعقد ہے کیونکہ یہ نذر صراحتہً گوشت کے صدقہ کی ہوئی اور صریح میں نیت شرط نہیں البتہ محض ان لفظوں سے کہ یہ کام ہو گیا تو گائے ذبح کروں گا نذر کا انعقاد اس وقت تک احقر کے خیال میں نہیں ہوگا، جب تک ان الفاظ سے اس کی نیت گوشت صدقہ کرنے کی نہ ہو۔ (ماخوذ از امداد المفتین: صفحہ ۷۲۹)

نذر ماننا ناپسندیدہ عمل ہے:

انسان جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو نذر مانتا ہے کہ یہ تکلیف یا بیماری دور ہو جائے یا یہ مشکل حل ہو جائے تو فلاں چیز صدقہ کروں گا اب اگر اس کو صحت حاصل ہو جائے تو اس پر نذر پوری کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شره مستطیرا﴾ (سورة الدهر: ٧)

یعنی پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی، البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شرعاً پسندیدہ عمل یہ ہے کہ ایسے موقع پر صدقہ کو نذر کے ذریعہ معلق کرنے کی بجائے نقد صدقہ خیرات کیا جائے توبہ استغفار کا اہتمام کیا جائے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جائے نذر ماننا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے رفع بلا میں اس نذر کا کوئی خاص دخل نہیں۔

لما ورد في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: لا تنذروا فإن النذر لا يقدم شيئا ولا يؤخره وإن النذر لا يأتي بخير وإنما يستخرج به من البخيل. (اخرجه البخاري: ٤/١٥٧ مسلم رقم ١٦٤٠ باب النهي عن النذر وانه لا يرد شيئا)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر کی وجہ سے جو چیز تقدیر میں مؤخر ہے مقدم نہ ہوگی اور جو مقدم ہے وہ مؤخر نہ ہوگی اور نذر سے کوئی خیر حاصل نہیں ہوگی اس کے ذریعہ تو فقط بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ (بخاری)

ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا:

غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا حرام ہے، اس منذور کا استعمال کرنا اس سے کسی قسم کا استفادہ بھی

حرام ہے اس کے بارے میں ایک اہم سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانی کہ " اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، پھر اس کا کام ہو گیا تو اس نے مزار پر بکرا ذبح کیا اور خود کو کئی گھنٹے الٹا لٹکایا اس کی بیوی اس کے ساتھ مزار پر نہیں جا رہی تھی لیکن اس کو بھی زبردستی لے گیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان رہا یا نہیں؟ اس کی بیوی سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا باقی ہے؟ اگر نکاح نہیں رہا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو ایسے آدمی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا، خود کو الٹا لٹکانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

جواب: صورتِ مسئولہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امورِ معصیت ہیں اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے:

وإن لا يكون معصية لذاته . (در مختار : ٩٢/٣)

یعنی نذر منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سوال چہل و نہم: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من برآرد بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم یا بنام اوشاں سبیل کنانم چہ حکم دارد، جائز یا گناہ کدام گناہ؟

جواب: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجتِ من خدا برآرد بمزار فلاں ولی ایں قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست ...... الی قولہ ...... چہارم آنکہ منذور در فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہد شد اصلا در نذر کردن بر و لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط ...... الى قوله ...... والرابع ان لا يكون المنذور معصية باعتبار نفسه انتهى چوں ازیں عبارت معلوم شد کہ در نذر کردن چند شروط ضروراست، پس در سوال کہ مرقوم است کہ بدرگاہ فلاں ایں قدر طعام پختہ برسانم رسانیدن طعام جای عبادت نیست پس نذر صحیح نخواہد شد ...... الخ۔ (مائة مسائل صـ : ٨١ تا ٨٤ فارسی)

ترجمہ: سوال چہل و نہم اس طرح منت ماننا کہ اگر خدا میری حاجت برلائیں تو فلاں ولی کے

مزار پر اس قدر نقدی اور کھانا پہنچاؤں گا یا ان کے نام کی سبیل لگاؤں کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ ہے؟ اگر گناہ ہے تو کس قسم کا گناہ؟

جواب: اس طرح منت ماننا کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت برلائیں تو فلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقد و جنس اور پکا ہوا کھانا پہنچاؤں جائز نہیں اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی منت ماننے میں چند شرطیں ہیں اگر تمام شرطیں پائی جائیں گی تو نذر لازم ہوتی ہے ورنہ نہیں...... الی قولہ...... چوتھی شرط یہ ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہ گناہ نہ ہو اگر وہ فعل گناہ ہو تو منت کا پورا کرنا اس پر کبھی بھی لازم نہ ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ نذر صحیح نہیں ہوتی ہے مگر چند شرطوں کے پائے جانے پر...... الی قولہ...... چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ انتہی۔ جب اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ نذر ماننے میں چند شرطیں ضروری ہیں تو سوال میں جو صورت مرقوم ہے کہ فلاں ولی کے مزار پر اس قدر کھانا پہنچاؤں گا، مزار پر کھانا پہنچانا عبادت نہیں ہے اس لیے اس صورت میں نذر صحیح نہ ہوگی اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لائیں تو فلاں مزار کے فقیروں اور مجاوروں کو کھانا کھلاؤں گا تو نذر صحیح ہو جائے گی اور اس کی وفا لازم ہوگی لیکن فقراء مزار، مجاوروں کی تخصیص نذر کے پورا کرنے میں ضروری نہیں جس فقیر کو بھی دے دے گا نذر پوری ہو جائے گی اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت بر آئے تو فلاں ولی کے لیے یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر نقدی وغیرہ دوں گا تو ایسی منت ماننا بالاجماع باطل ہے اور وہ کھانا حرام ہے چنانچہ معتبر کتابوں کے حوالہ سے لکھا جائے گا اور اسی قسم سے ہے اگر یہ کہے کہ یہ چیز اس ولی اور سید کے نام کی ہے (تو یہ بھی حرام ہے) عالمگیری میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں کہ صلحاء کی قبر پر جاتے ہیں اور غلاف اٹھا کر مثلاً یہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر مال اب قبر پر چڑھاؤں گا اے میرے سید اگر پوری فرمائیں میری حاجت کو تو یہ بالاجماع باطل ہے...... الی قولہ...... اور جب تم نے یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ مال اور اس کے مثل اور چیزیں جو اولیاء کے مزار پر ثواب کے لیے لے جایا کرتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ زندہ محتاجوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے اور اس پر سب متفق ہیں اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔ (عالمگیری) بحر الرائق میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی غائب آدمی کے لیے یا کسی بیمار کے لیے یا خود اس کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ صلحاء کے مزار پر جاتا ہے اور مزار کے

غلاف کو سر پر رکھ کر کہتا ہے کہ اے میرے فلاں سید! اگر آ جائے میرا غائب آدمی یا اچھا ہو جائے میرا مریض یا پوری ہو جائے میری حاجت، تو آپ پر اس قدر مال اس قدر کھانا یا اس قدر پانی یا اس قدر تیل یا اس قدر موم بتیاں یا اس قدر چراغ چڑھاؤں گا تو ایسی منت چند وجوہ سے بالاجماع باطل ہے۔ اول تو اس لیے کہ یہ منت مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق کے لیے منت ماننا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ منذور لہ میت ہے اور میت کسی شی کا مالک نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے کہ اگر گمان ہو کہ اللہ کے سوا اور دنیا میں میت بھی متصرف ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ الی آخرہ۔

(امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل : صفحہ ۹۰، ۹۱، ۹۲)

مالابد منہ میں ہے'' سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء و طواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا از اں بہ کفر می رسانند پیغمبر ﷺ بر آنہا لعنت گفتہ، و از اں منع فرمودہ و گفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند۔''

یعنی انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ (مالابد منہ: صفحہ ۸۰)

لہٰذا اس طرح منت ماننا کہ ''اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا۔'' سخت گناہ اور حرام ہے اور مشرکانہ فعل ہے یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی یہ چیز جہالت سے سرزد ہوئی ہے اس لیے توبہ و استغفار لازم ہے اور ایسی صورت میں احتیاطاً تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔ شامی میں ہے:

> نعم سیذکرہ الشارح ان ما یکون کفرا اتفاقاً یبطل العمل والنکاح، وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح وظاہرہ انہ امر احتیاطا الخ (شامی : ۲/۳۹۹ باب المرتد)

(ماخوذ از الفتاویٰ رحیمیہ : ۶/۶۵)

جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی کیا اس کو بدلا جا سکتا ہے؟

نذر کے جانور تبدیل کرنے کی ایک خاص صورت کا حکم یہاں سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سوال: بعد سلام مسنون ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے دو بکروں میں سے ایک صدقہ کروں گا اور ابھی کام ہوا نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ وہ کام ہو جائے تو کیا ابھی اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے؟ اس کا خیال یہ ہے کہ بکرے کی قیمت لگا کر قیمت محفوظ رکھ لے اور جب کام پورا ہو جائے تو اس قیمت کا بکرا خرید کر صدقہ کر دے اور جو بکرا موجود ہے اس کی قربانی کر ڈالے، شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟

بینوا توجروا

جواب: صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ دو بکروں میں سے جو اچھا ہو اسے رکھ لیا جائے، دوسرے کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور جب کام پورا ہو جائے تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کر دی جائے، یا اس کا بکرا خرید کر صدقہ کر دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس قسم کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے: یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کر کے تصدق کر دے یا بکری کی قیمت کا تصدق کر دے اور فروخت کر دینے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و صدقہ کر دے یا وہ قیمت صدقہ کر دے۔

(امداد الفتاویٰ : ۲/۴۹٦)

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: زید نے نذر مانی کہ اگر میرے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید کے بھائی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوگئی ہے اور اب وہ اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہے لیکن زید تاجر ہے اس کو روزہ رکھنا مشکل ہوگا اور پابندی نہ ہو سکے گی تو وہ ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

جواب: صورتِ مسئولہ میں زید کے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو جانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وقد روي عن محمد قال ان علق النذر بشرط يريد كونه كقوله ان شفى الله مريضي اورد غائبي لا يخرج عنه بالكفارة كذا في المبسوط ويلزمه عن ما سمى كذا في فتاوىٰ قاضي خان.

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نذر ایسی شرط کے ساتھ معلق کی جس کے پورا ہونے کی اسے تمنا ہے جیسے یوں کہا اگر اللہ تعالیٰ میرے بیمار کو شفا عطا کرے یا میرے گم شدہ کو واپس لوٹا دے تو میں یہ کام کروں گا تو کفارہ کافی نہ ہوگا اور جس چیز کی نذر مانی ہے وہ پورا کرنا لازم ہوگا۔

(فتاوی عالمگیری : ٤٢/٣) (هدايه اولين : ٤٦٣)

دوسری جگہ ہے:

ولو قال لله على ان اصوم شهر امثل شهر رمضان ان نوي المماثلة في التتابع يلزمه صوم شهر متتابعاً وإن نوي المماثلة في العدد اولم يكن له نية يلزمه ان يصوم ثلثين يوما ان شاء صام متفرقا وان شاء متتابعا كذا في المحيط .

یعنی اگر اس طرح نذر مانی میں ماہِ رمضان کی طرح ایک مہینہ کے روزے اللہ کے واسطے رکھوں گا اگر اس سے مراد یہ ہو کہ رمضان کے مانند مسلسل ایک ماہ کے روزہ رکھوں گا تو اس کو لگاتار ایک ماہ کے روزے لازم ہوں گے اور اگر یہ نیت ہو کہ رمضان کے روزوں کے عدد (گنتی) کے مطابق روزے رکھوں گا یا کچھ نیت نہ ہو تو اس کو تیس روزے لازم ہوں گے چاہے متفرق رکھے یا مسلسل۔

(كذا في المحيط ، فتاوی عالمگیری : ١٣٥/١ كتاب الصوم الباب السادس في النذر ماخوذ از فتاوی رحیمیه)

نیاز کا حکم:

ہمارے ہاں بعض لوگ نیاز کرتے ہیں کبھی اس کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں ، نیازِ رسول، نیازِ حسین ، نیاز امیر یا نیاز اللہ وغیرہ نیاز کا حکم بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس نیاز کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا کرنا حرام اور سخت گناہ ہے اس کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے اور دوسری صورت میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر نیاز انہیں بزرگوں کے نام کی ہو یعنی اس سے ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو تو یہ حرام ہے اور اس کا کھانا بھی حرام کیونکہ یہ نذر غیر اللہ ہے جس کی صریح ممانعت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے۔

لا نذر الا فیما یبتغي به وجه الله .

نذر منعقد نہ ہوگی مگر ایسی چیز کی جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔

اور بحرالرائق میں ہے:

النذر الذي يقع للأموات من اكثر العوام وما يوخذ من الشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع حرام الى قوله لانه حرام بل سحت ولا يجوز لخادم الشيخ اخده الا ان يكون فقيرا الخ .

اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے نام کی اور اس کی رضا تقرب کے لیے ہو صرف اتنا کیا جائے کہ ایصالِ ثواب کسی بزرگ کو کردیا جائے تو یہ بشرائط ذیل جائز ہے:

۱۔ کوئی تاریخ ہمیشہ کے لیے مقرر نہ کرے۔

۲۔ جو کچھ کھلانا ہو اس میں فقراء کو کھلائے اغنیاء اور صاحبِ نصاب لوگوں کو اس میں سے کچھ نہ کھلائے۔

۳۔ اس کو لازم و واجب کی طرح جان کر نہ کرے اور ان لوگوں پر کوئی طعن نہ کرے جو ایسا نہیں کرتے۔

٤۔ قرض لے کر اپنی وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرے۔

۵۔ اور بھی کوئی خلافِ شرع کام اس کے ساتھ نہ ملائے۔ اس صورت میں یہ نذر جائز بلکہ ثواب ہوگی اور اس کا کھانا بھی فقراء کے لیے جائز ہوگا۔ (ماخوذ از امداد المفتین: ۷۲۸)

استطاعت سے زائد نذر ماننے کی ایک صورت کا حکم:

کسی شخص نے نذر مانی کہ اس چیز کی قیمت حج پر صرف کروں گا اور اس کی استطاعت میں حج کی رقم نہیں اور قیمت بھی حج کے مصارف سے بہت کم ہے، کیا اس پر اس نذر سے حج فرض ہو جائے گا یا اگر فرض نہ ہو تو وہ منذور قیمت فی سبیل اللہ دینی پڑے گی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال فی البحر الرائق عن الخلاصة لو التزم بالنذر اكثر مما يملكه هو المختار كما إذا قال ان فعلت كذا فالف درهم من مالي صدقة

ففعل وهو لا يملك إلا المائة لا يلزمه الا المائة . الخ

(بحر : ٤ / ٣٢١)(ومثله في الدر المختار والشامي : ٣/ ٧٣)

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص پر حج تو واجب نہیں لیکن اس چیز کی جو قیمت حاصل ہو اس کو حج کے مصارف میں خرچ کرنا واجب ہوگیا جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو مکہ معظمہ میں کسی شخص کو دے دی جائے وہاں کے کوئی شخص اس رقم سے حج کرلیں اور یا کسی ایسے شخص کو دے دی جائے جو حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کی رقم میں کمی ہے۔

عمرہ کی نذر صحیح ہے:

اگر کوئی شخص عمرہ ادا کرنے کی نذر مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی اور اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

نقل في الهندية عن المبسوط ، ولو جعل عليه حجة او عمرة او صوما او صلوٰة او صدقة اوما اشبه ذلك مما هو طاعة وإن فعل كذا ففعل لزمه ذلك الذي جعله على نفسه اهـ . (عالمگيرية : ٢/ ٦٥)

زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی:

انعقادِ نذر کے لیے زبان سے نذر کے الفاظ کہنا شرط ہے، صرف دل میں نیت کرنے سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔

في اعتكاف العلائية واجب بالنذر بلسانه ، وفي الشامية فلا يكفي لا يحابه النية منح عن شمس الائمة . ردالمحتار : ٢/ ١٤١ وفي صوم الشامية تحت (قوله ولو نذر الخ) قال في الملتقي والنذر عمل اللسان . (ردالمحتار : ٢/ ١٣٤)

باب اليمين

قسم کا بیان

قسم کسی بات کو پختہ کر کے بیان کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کسی نام کو لے کر قسم کھانے سے بات پختہ ہوتی ہے، مدِ مقابل کو بات پر یقین آجاتا ہے لیکن بلاضرورت بات بات پر قسم کھانا بری بات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی

انتہائی بے حرمتی ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہیے۔

قال في المحيط الافضل في اليمين بالله تعالىٰ تقليلها لإن في تكثير اليمين المضافة إلى المستقبل تعريض اسم الله تعالىٰ للهتك.

(طحطاوي على الدر: ۲/۳۲۴)

غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں:

اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم مثلاً باپ کی قسم، بچے کی قسم، اپنے پیاروں کی قسم وغیرہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی لہٰذا اس طرح قسم کھا کر اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر رضي الله عنه وهو يحلف بابيه وكان في سفر. فقال له صلى الله عليه وسلم: إن الله عزوجل ينهاكم أن تحلفوا بابائكم، فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت ـ اي ليسكت، قال عمر: فو الله ما حلفت بها منذ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها ذاكرا ولا اثرا.

(أخرجه مسلم رقم ١٦٤٦ والترمذي رقم ١٥٣٣)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ دورانِ سفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، یا خاموش رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم جب سے غیر اللہ کی قسم کا ممنوع ہونا میں نے زبانِ نبوت سے سنا اس کے بعد کبھی غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی، نہ قصداً نہ کسی سے حکایۃً۔

کارِ خیر پر قسم کا حکم:

اگر کسی کارِ خیر کو آئندہ مستقبل میں انجام دہی کے متعلق قسم کھائے تو اب اس کو پورا کرنا ہی مناسب ہے، اسی طرح کسی مباح کام کے متعلق قسم کھائے تب بھی اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ قسم کا لحاظ رہے۔

گناہ پر قسم کھانے کا حکم:

اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی مثلاً سینما دیکھے گا یا ماں باپ سے بات نہیں کرے گا یا نعوذ

باللہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

لقوله صلى الله عليه وسلم : من حلف على يمين ، فرأى غيرها خيرا منها ، فليات الذي هو خير وليكفر عن يمينه .

(الاختيار للموصلي : ٤٨/٤ والحديث أخرجه مسلم رقم ١٦٥٠)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی بات پر قسم کھائے پھر اس کے خلاف میں بہتری نظر آئے تو قسم توڑ دے پھر کفارہ ادا کرے۔

وفي التنوير ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع ابويه او قتل فلان اليوم وجب الحنث والتكفير . (ردالمحتار : ٦٤/٣)

حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے:

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے اسی طرح پہلے سے حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ اب اگر کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ مجھ پر سینما دیکھنا حرام ہے، سینما دیکھنا تو پہلے سے حرام تھا اگر وہ اس قسم کے بعد دوبارہ سینما دیکھے تو سخت گناہ کے علاوہ قسم کا کفارہ بھی لازم ہوگا۔

قال في التنوير : ومن حرم شيئا ثم فعله كفر . وفي الشرح ولو حراماً ، او ملك غيره ، كقوله الخمر اومال فلان ، على حرام فيمن مالم يرد الاخبار ما فيه . (ردالمحتار : ٩١٤/٣)

وفيه ايضا : لما تقرر أن تحريم الحلال يمين .

(ردالمحتار : ٦٥/٣)

جھوٹی قسم کا حکم:

جو بات ہو چکی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ خدا قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں، یا کھانا کھا چکا تھا جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا خدا کی قسم میں نے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا۔ تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اس کا کوئی کفارہ تو نہیں لیکن اس پر لازم ہے کہ خوب توبہ واستغفار کر کے اپنا گناہ اللہ تعالیٰ سے معاف کروائے۔

فالغموس هو الحلف على امر ماض يتعمد الكذب فيه فهذه

الیمین یاثم فیھا صاحبھا ولا کفارۃ فیھا الا التوبۃ والاستغفار .

(ھدایۃ : ٤٥٧/٢)

قسم کا کفارہ:

اگر کسی شخص نے قسم توڑ دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس فطرانہ کی مقدار گندم، چاول وغیرہ دے دے یا نقد رقم دے دے۔ یا دس مسکینوں کو جوڑا دیدے۔ نقد دینا چاہے تو دس فطرہ کی مقدار دینا ہوگا۔

کفارے کا روزہ:

اگر کسی کو اوپر کی تینوں باتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت حاصل نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ تین دن مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھے۔

فان لم یقدر علی احد الاشیاء الثلثۃ صام ثلاثۃ ایام متتابعات .

(ھدایۃ : ٤٦٠/٢)

علاج و معالجہ کا بیان

بیماری کا علاج کرنا سنت ہے:

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس بیماری سے صحت یابی کے لیے علاج کرانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر علاج نہ کروائے اور بیماری کی وجہ سے انتقال ہو جائے تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ تو سمجھ لیا جائے کہ علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مر جائے تو گناہگار نہیں ہوگا۔

لما قال الإمام الفقیہ ابو اللیث السمرقندي : ولو مرض ولم یعالج حتی مات لم یأثم بخلاف الجائع إذا لم یأکل حتی مات بالجوع یأثم بہ . (فتاویٰ نوازل : صہ ٢٠٠ کتاب الکراھیۃ)

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوا اور علاج نہیں کروایا یہاں تک مر گیا تو علاج نہ کروانے کی وجہ سے گناہگار نہ ہوگا۔ بخلاف بھوکا شخص اگر اس کو کھانا میسر ہونے کے باوجود نہ کھائے یہاں تک بھوک کی وجہ سے مر جائے تو گناہگار ہوگا۔

قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله : امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً اثم وان عن التداوي حتى تلف مرضاً لا لان عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون .

(الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية : ٦/٣٦٧ نوع في التداوي ، كتاب الكراهية
ومثله في الاختيار على تعليل المختار : ٤/١٧٤ كتاب الكراهية)

وفي الهندية قال : إما الاكل فعلى مراتب فرض وهو ما يندفع به الهلاك فان ترك الاكل والشرب حتى هلك فقد عصى ...... ولا يجوز الرياضة بتقليل الاكل حتى ضعف عن أداء الفرائض ...... ولو جاع ولم يأكل مع قدرته حتى مات يأثم .

(عالمگيريه : ٤/١٠٢ كتاب الكراهية)

حمل گرانے کا حکم:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں ہیں:

(١) قطع نسل: یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوتِ تولید ختم ہو جائے۔

(٢) منع حمل: یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوتِ تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

(٣) حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

(٤) چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام: پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہِ تنزیہی ہے اور درجِ ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) عورت اتنی کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

(۲) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام وقرار کا ارادہ نہیں اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

(۳) زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔

(٤) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

(٥) یہ خطرہ ہو کہ فسادِ زمان کی وجہ سے بچہ بداخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرتِ اولاد سے تنگیٔ رزق کا خیال ہو یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، مثلاً:

(۱) حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو۔

(۲) کوئی دیندار، حاذق طبیب عورت کا معاینہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ۳٤٧/۸)

قال الشامي رحمه الله: يجوز لها سد فم الرحم كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من انه ينبغي ان يكون حراما بغير اذن الزوج قياسا على عزله بغير اذنها لكن في البزازيه ان له منع امراته عن العزل الخ نعم النظر إلى فساد الزمان يقيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو اصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشائخ. (شاميه مصری، باب نكاح الرقيق: ۲/ ۳۹)

اولاد کی کثرت نعمتِ الٰہیہ ہے:

بعض لوگ شادی کے بعد اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم سے کم ہو بعض لوگ تو اس لیے

اولاد سے بیزار رہتے ہیں کہ اولاد ان کی عیاشی میں مخل نہ ہو اور بعض کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اولاد پیدا ہونے کے بعد خرچہ کا بندوبست کیسے ہوگا؟ بعض لوگ غیر مسلموں کے اس پرفریب نعرے میں آجاتے ہیں کہ ''بچے دو ہی اچھے'' حالانکہ یہ سب باتیں شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں، اس کے برخلاف جناب نبی کریم ﷺ نے اولاد کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت بتایا ہے۔

کقوله علیه السلام: تزوجوا الودود الولود، فإنی مکاثربکم الامم. (مشکوٰة: ۲/۲۷۶)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ میں (قیامت کے روز) اپنی امت کی کثرت کے ذریعہ اور امتوں پر فخر کروں گا۔

لہٰذا اولاد کو عذاب الٰہی سمجھنے یا تنگی رزق کا ذریعہ سمجھنے یا کسی عار وغیرہ کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے نعمتِ الٰہیہ سمجھتے ہوئے اس کی پیدائش کے اسباب بند نہ کیا جائے بلکہ فطری طریقہ پر جتنی اولاد ہو جائے اللہ کا شکر بجالائیں۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم:

شریعتِ اسلامیہ نے انسان کی طبعی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکاح کا پاکیزہ اصول رکھا ہے، اسی طرح حصولِ اولاد کی فطری خواہش کی تکمیل کے لیے ازدواجی قانون کا نظام رکھ دیا ہے۔ انہیں اصولوں کو بروئے کار لانے کے لیے غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ عورتوں سے زنا اور جنسی ملاپ خواہ ظاہراً یا خفیۃً رضا ورغبت سے ہو یا جبر واکراہ سے، اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت حرام قرار دیا ہے اور اس کے لیے سخت سے سخت ترین سزا سو سو کوڑے یا رجم کی سزا رکھی ہیں اور آخرت میں عذابِ جہنم کی وعید بھی ہے۔ اسی طرح لواطت اور اغلام بازی کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، دنیا میں اس کے لیے زنا کی طرح کوڑے، قتل، سنگساری، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دینے کی سزائیں رکھی ہیں، جہنم کے عذاب کی وعید الگ ہے۔

نیز یہ کہ ہر قسم کی بے حیائی اور عریانی و بے پردگی کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، مقصد ان سارے احکام سے یہ ہے کہ انسان کی طبعی اور فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے پاکیزہ معاشرہ میسر ہو اور اس کی ازلی شرافت اور پیدائشی کرامت بحال رہے۔ اصول شریعت کے مطابق توالد د

تناسل کا سلسلہ بھی یوں ہی چلتا رہے، لیکن انسان اگر مذکورہ اصولِ شریعت اور حدودِ الٰہیہ کی پابندی نہیں کرتا اور جانوروں کی طرح آزادانہ طور پر ہر عورت سے جب چاہے جس طرح چاہے جنسی ملاپ قائم کرتا ہے اور طبعی اور فطری خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے یا حصولِ اولاد کے مقررہ اصول سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ اپنے خالق کائنات کے قانون سے کھلی بغاوت کرتا ہے اور محسن انسانیت آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ شخص صراطِ مستقیم سے نکل کر گمراہی اور شیطان کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنت کے راستہ کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو کہ انسان کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین وشریعت کا فہم عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی اصولی طور پر دو صورتیں بنتی ہیں یا تو مرد کے مادۂ منویہ لے کر اسی مرد کی بیوی کے رحم میں غیر فطری طور پر پہنچایا جائے گا یا غیر مرد کا مادۂ منویہ کسی عورت کے رحم میں پہنچایا جائے گا دونوں کا حکم الگ الگ لکھا جاتا ہے:

۱۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش غیر فطری طریقہ ہے جس میں مرد کے مادۂ منویہ اور اس کے جرثومے حاصل کر کے دوسری غیر منکوحہ عورت کے رحم میں غیر فطری طریقے سے ڈالے جاتے ہیں اور یہ جرثومے مدتِ حمل تک اس اجنبی عورت کے رحم میں پرورش پاتے ہیں اور مدتِ حمل پوری ہو جانے کے بعد جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عورت کو مدتِ حمل کی بار برداری اور تکلیف اٹھانے کی معقول اجرت دے کر مرد بچہ لے لیتا ہے، اس طرح کی خواہش پوری کی جاتی ہے اور یہ ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں حصولِ اولاد کے لیے دو ہی اصول مقرر کر دیے ہیں کہ انسان اپنی منکوحہ بیوی سے فطری طریقہ سے جماع کرے اور ارادۂ اولاد کی پیدائش کا کرے۔

﴿ فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم ﴾ (البقرة : ۱۸۷)

''اور تم اپنی منکوحہ بیویوں سے جماع کرو اور ارادۂ اولاد کا کرو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے لکھ رکھا ہے۔''

فطری طریقے سے تحصیل اولاد، اس سے کئی فائدہ ہیں ایک تو مرد اور بیوی دونوں کی فطری

شہوت پوری ہو جائے گی، دونوں کی شرمگاہیں کسی غلط راستے میں مستعمل ہونے سے محفوظ ہو جائیں گی اور دونوں کی نگاہیں بھی اجنبی مرد اور عورت سے پاک رہیں گی۔ اس لیے کہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ مرد اور عورت فطرت کے طریقے سے خواہش پوری کریں، جب مرد غیر فطری طریقہ سے مادۂ منویہ نکالے گا تو عورت کی فطری خواہش باقی رہے گی تو وہ ضرور کسی غیر مرد سے اور غیر شرعی طریقے سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گی، یہ بہت بڑا دینی اور شرعی نقصان ہے اور اخلاقی ضرر ہے، دیگر یہ کہ مذکورہ بالا طریقۂ پیدائش میں یہ خرابیاں بھی ہیں:

(۱) اولاد کے خواہش مند مرد نے جس اجنبی عورت کے رحم میں اپنا مادۂ منویہ کو ڈالا ہے وہ عورت اس کا منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے جب کہ قرآن و حدیث کی رو سے منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی بھی عورت کے رحم میں انسان اپنا مادۂ منویہ داخل نہیں کر سکتا خواہ فطری طریقہ پر ہو یا غیر فطری طریقہ پر یہ ایسا ہے کہ انسان اپنی بیوی (کھیت کی زمین) چھوڑ کر دوسری عورت (غیر مملوکہ زمین) میں کھیتی کرنے کی خواہش سے ہل چلاتا ہو یا بغیر ہل چلائے بیج ڈالتا ہو۔ جس طرح غیر مملوکہ زمین میں کھیت وزراعت کے واسطے بیج ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے، اس طرح غیر منکوحہ یا دوسرے کی منکوحہ عورت کے رحم میں مادۂ منویہ (جو کہ نسل انسانی کا بیج ہے) کا ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ بے غیرتی اور ذلت کی بات ہے۔

پھر یہ کہ نسل انسانی کی پیدائش کے واسطے شریعت نے عورت کے رحم کو کرائے یا اجرت پر دینے یا لینے کا کوئی طریقہ نہیں رکھا۔ نہ ہی کسی عورت کو عاریت پر لینے یا دینے کی اجازت دی ہے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ اولاد کی خواہش پوری کرنے کے لیے شرعی اصول کے مطابق کسی بے شوہر عورت سے نکاح کر لو، بلکہ حدیث میں ہے کہ زیادہ اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو، پھر اس سے فطری طریقہ سے مباشرت کرو اور فطری راستے سے نسل انسانی کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچاؤ اور مباشرت کرتے وقت دل میں اولاد کا ارادہ بھی کرو، اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو اولاد کی خواہش پوری فرما دے گا اور اولادِ صالح پیدا ہوگی۔

غرض یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ طریقہ سے اجنبی عورت کے رحم میں کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویہ اور جرثومے داخل کرنا اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز نہیں۔ اس سے قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص کی خلاف ورزی اور شریعت کے بے شمار اصولوں

سے انحراف اور اللہ و رسول اللہ ﷺ کے قانون سے بغاوت لازم آتی ہے، اس کے علاوہ بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مثلاً: (الف) جس اجنبی عورت کے رحم میں مرد کا مادۂ منویہ بذریعہ انجکشن یا پچکاری داخل کیا جائے گا خود مرد داخل کرے گا یا ڈاکٹر، تو ان کے سامنے بے حیائی کا مظاہرہ ہوگا، حفاظتِ شرمگاہ اور حفاظتِ نگاہ کی پابندی ختم ہو جائے گی، غیرت اور حمیت باقی نہیں رہے گی۔

(ب) پھر پاکیزہ عورت اور اس کی شرمگاہ بکاؤ اور کرائے کا مال بن جائے گی جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے عضوِ مخصوص کو ذریعہ معاش بنائے گی یہ سلسلہ انسانی معاشرے میں بہت بڑے فساد کا ذریعہ ہوگا۔

(ج) پھر جب اولاد پیدا ہوگی اس کی نسل اور نسب قرآن و حدیث کے لحاظ سے اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جس کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہے کیونکہ شریعت کے اصول میں ثبوتِ نسب کے لیے عورت کا منکوحہ یا مملوکہ ہونا ضروری ہے اور یہ اجنبی عورت اولاد کے خواہشمند مرد کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے بلکہ یہ اجنبی عورت اگر کسی مرد کی منکوحہ ہے تو بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (مشکوٰۃ شریف: صـ ۲۸۸)

یعنی اولاد کی نسبت عورت کے شوہر کی طرف ہوگی اور زنا کرنے والوں کے لیے سنگسار کرنے کی سزا ہوگی۔

جس کا مطلب یہ ہوا جس کا فراش (بیوی) ہے بچہ اس کا ہوگا اور جس اجنبی مرد نے اجنبی عورت کے رحم میں اپنے مادۂ منویہ کو داخل کیا ہے اگر فطری طریقہ سے وطی کر کے داخل کیا ہے تو یہ عین زنا ہے اور غیر فطری طریقہ سے داخل کیا ہے تو یہ اگر چہ عین زنا تو نہیں ہے لیکن حکم زنا میں ہے۔ اس لیے کہ کسی مرد کو اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا دوسری عورت کے رحم میں مادۂ منویہ داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں حدیث کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مرد کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی عورت کے رحم میں پانی ڈالے (یعنی مادۂ منویہ داخل کرے) اس لیے کہ اس سے جو بچہ ہوگا وہ منی کے جز ثوے داخل کرنے والے کا نہ ہوگا بلکہ جس کی عورت ہے اسی مرد سے نسب ثابت ہوگا۔

لیکن وہ دوسری عورت اگر بے شوہر عورت ہے پھر بھی اجنبی مرد، جس کے جرثومے سے بچہ پیدا ہوا ہے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا بلکہ عورت ہی سے بچہ کا نسب ثابت ہوگا یعنی بچہ کی نسبت عورت کی طرف کی جائے گی اور اجنبی مرد کی منی کا داخل کرنا چونکہ زنا کے حکم میں ہے، اس لیے زنا سے نسب کا ثبوت نہیں ہوگا، اس کی قانونی حیثیت ولد الزنا کی ہوگی۔

نیز چونکہ شرعاً کسی عورت کے رحم یا شرمگاہ کو عاریت یا اجارہ پر لینے کا کوئی جواز یا اس کا تصور اسلام میں نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اس لیے کسی بھی صورت میں اولاد کے خواہش مند مرد کے جرثومے سے ہونے والے بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جب کہ مرد کے جرثومے اجنبی عورت کے رحم میں داخل کیے گئے ہوں۔

کتبِ فقہ میں تصریح ہے:

ویثبت ولد الزنا و اللعان بجهة الأم مما قدمنا انه لا اب له .

(ردالمحتار : ٥/ ٧٠٠)

کہ ولد الزنا اور ولد اللعان کو ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ ہم نے اس سے قبل لکھا ہے کہ ان کا باپ نہیں ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ زانی زنا کر کے جو جرثومے مزنیہ کے رحم میں داخل کرتا ہے گویا غیر اصولی اور غیر قانونی طور پر داخل کرنے کی وجہ سے شریعت نے زانی کے جرثومے کی کوئی حیثیت نہیں دی، اسے بے قیمت اور کالعدم قرار دیا ہے۔ اسی لیے نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بچہ کی نسبت شرعاً ماں کی طرف ہوگی۔

اسی طرح لعان کے بعد کہ شوہر نے بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا کوئی گواہ نہیں ہے اور دعویٰ پر اس نے شرعی طریقہ سے عدالت میں قسم کھا کر کہا کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے، ہونے والا بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے تو اس صورت میں لعان کے بعد ہونے والا بچہ کو ولد اللعان کہا جائے گا، اس کی نسبت ماں کی طرف ہوگی نہ کہ باپ کی طرف، اس کو وراثت ماں سے ملے گی۔ اجنبی مرد جس کے جرثومے تھے اس سے کوئی وراثت نہیں ملے گی، اس طرح صورتِ مسئولہ میں بچہ کی نسبت بے شوہر عورت کی طرف ہوگی، اس اجنبی مرد کی طرف نہ ہوگی جس کے جرثومے عورت کے رحم میں داخل کیے گئے ہیں، اس طرح یہ بچہ معاشرہ میں معیوب اور مطعون بن کر رہے گا۔ اس کو دیکھتے ہی

لوگوں کے ذہنوں میں غلط حرکتوں فحاشی پر مبنی جملہ افعال منتقل ہو جائیں گے جو کہ فسادِ معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

(ی) اور اس طریقۂ ولادت سے یہ بھی نقصان ہوگا کہ مرد نے ایک صحیح النسب بچہ کی جگہ ایک ولد الزنا کو جنم دیا ہے گویا اس نے اپنی منی کے جرثوموں کو ضائع کیا ہے جن سے ولد الزنا پیدا ہوا ہے جب کہ ان جرثوموں کو اگر وہ منکوحہ عورت کے رحم میں داخل کرتا تو صحیح النسب بچہ پیدا ہوتا، اس سے صالح معاشرہ پیدا ہوتا، دنیا میں بھی عزت وشرافت والا نسب نصیب ہوتا، آخرت میں سرخروی حاصل ہوتی جب کہ ولد الزنا کی خود دنیا میں رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی جب کہ اسے باپ کی ولدیت کی جگہ ماں کے نام سے پکارا جائے گا رسوائی ہوگی، زانی کی رسوائی تو ہے ہی۔

(ء) اس جرثومے سے ہونے والے بچہ کی نسبت چونکہ ماں کی طرف ہوگی اس لیے جملہ اخراجات نان ونفقہ وغیرہ بھی ماں کے ذمہ واجب ہوں گے، نہ کہ اس مرد پر جس کے جرثومے تھے، یہ دوسری بات ہے کہ مرد اسے قبول کرے اور اس کی ذمہ داری اٹھائے، لیکن جب شرعاً اس پر لازم نہیں ہے تو یہ بہت ممکن ہے کہ جب مرد یہ دیکھے گا کہ بچہ اس کی خواہش کے مطابق نہیں یا ناقص ہے تو اس کو لینے سے انکار کر دے گا جب کہ قانونِ شرع اسے مجبور نہیں کرتا، تو اس سے بلا وجہ عورت پر ایک بوجھ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ بچہ کا رشتہ ماں سے ہوگا اور اس کے سارے اخراجات کا بوجھ بھی اس پر ہوگا۔

(ز) نیز ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا گناہ اجنبی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا۔ دونوں شرع اور قانونِ فطرت سے بغاوت کے مرتکب ٹھہریں گے لیکن چونکہ اس میں حقیقی زنا کی صورت (مرد کا آلہ تناسل غیر منکوحہ کی شرمگاہ میں داخل کرنے کی صورت) نہیں پائی جاتی، اس لیے زنا کی حد، تو ان پر جاری نہ ہوگی، البتہ اسلامی حکومت ان پر تعزیری سزا عائد کر سکتی ہے اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔

۲۔ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ جس میں مرد اور عورت دونوں میاں بیوی ہوں مگر فطری طریقہ سے ہٹ کر غیر فطری طریقہ سے مرد کے جرثومے اور عورت کے جرثومے کو نکالنے کے بعد خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں داخل کرتے ہیں۔ اس کا حکم پہلے

سے مختلف ہوگا، پہلی بات تو یہ ہے کہ شوہر کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں داخل کیا گیا جو کہ نا جائز نہیں ہے، اس طرح اس سے حمل ٹھہرا تو ثابت النسب ہوگا اور اس میں کوئی تعزیری حکم نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ زنا کے حکم میں نہیں ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہوگا، جب کہ دونوں کے جرثومے نکالنے اور داخل کرنے میں کسی اجنبی مرد اور عورت کا عمل دخل نہ ہو، بلکہ سارا کام بیوی اور شوہر خود ہی انجام دیں لیکن شوہر اور بیوی کے جرثومے کو غیر فطری طریقہ سے نکالنے اور عورت کے رحم میں داخل کرنے میں اگر تیسرے مرد یا عورت کا عمل دخل ہوتا ہے اور اجنبی مرد یا عورت کے سامنے شرمگاہ دیکھنے یا دکھانے اور مس کرنے یا کرانے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس طرح بے حیائی اور بے پردگی کے ساتھ بچہ پیدا کرنے کی خواہش پوری کرنے کی اجازت شرعاً نہ ہوگی، کیونکہ بچہ پیدا کرنا کوئی فرض یا واجب امر نہیں ہے، نہ ہی بچہ پیدا نہ ہونے سے انسان کو جان یا کسی عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو گویا کہ کوئی شرعی ضرورت و اضطراری کیفیت نہیں پائی جاتی جس سے بدن کے مستور حصے خصوصاً شرمگاہ کو اجنبی مرد یا عورت ڈاکٹر کے سامنے کھولنے کی اجازت دے۔

لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے دوسرے طریقہ کو اگر کسی اجنبی مرد یا اجنبی عورت ڈاکٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے تو جائز نہیں ہے یعنی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، تاہم بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اس کو باپ سے وراثت ملے گی۔ صحیح اولاد کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

یہاں اور چند مزید ممکنہ صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی، لہٰذا فائدے کے طور پر ان صورتوں کا حکم بھی اجمالاً بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، وجہ یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ اولاد حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے۔

(الف) کہ کوئی شخص نکاح کیے بغیر اولاد حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ کسی عورت کو اولاد حاصل کرنے کے لیے کرائے پر لے اور اس سے فطری طریقہ سے زنا کرے یا غیر فطری طریقہ سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے نظام سے اپنے جرثومے کو اس کے رحم میں داخل کر کے اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس کا حکم بھی زنا کا ہے اور اس سے ہونے والا بچہ بھی ولد الزنا ہے۔

(ب) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنے والا مرد نہ ہو بلکہ وہ عورت ہو کہ وہ بلا نکاح کسی مرد کو کرائے پر لے کر اس سے فطری طریقہ سے زنا کر کے بچہ پیدا کرے یا کسی اجنبی مرد کے مادۂ منویہ کو غیر فطری طریقے سے اپنے رحم میں داخل کر کے بچہ پیدا کرے۔ یہ بھی زنا

کے حکم میں ہے، اس میں بچہ تو عورت کو مل جائے گا لیکن اس کو ولد الزنا کہا جائے گا۔ اس طرح بچہ حاصل کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(ج) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے خواہش مند میاں بیوی ہوں لیکن ان کے جرثومے ناقص یا اولاد پیدا کرنے والے نہ ہونے کی بناء پر کسی ایسے اجنبی مرد کے جرثومے کو ملا کر بیوی کے رحم میں داخل کردیں جس کے جرثومے میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہو یا میاں بیوی دونوں کے جرثومے کسی اجنبی عورت کے رحم میں داخل کردیں۔ ان صورتوں میں خلط نسب کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، تاہم جس عورت کے بطن اور حمل سے بچہ پیدا ہوگا۔ بچہ کی نسبت اس کی طرف ہوگی اور وہ اگر شوہر والی عورت ہے تو اس کے شوہر سے بچہ کا نسب ہوگا، خواہش مند عورت سے نہ ہوگا اور اگر عورت بے شوہر ہے تو صرف اسی عورت سے نسب ثابت ہوگا، جس کے بطن میں حمل ٹھہرا اور جس عورت کو اولاد کی خواہش تھی اور اس کے جرثومے بھی ملائے گئے ہوں اس سے نسب کا ثبوت نہ ہوگا۔

بہر حال اس میں مزید صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں لیکن ہم نے جو اصول بیان کردیے ہیں اور جس تفصیل سے اصول اور مسائل کو دلائل سے ذکر کیا ہے اس سے مزید پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی انشاء اللہ ملے گا، ایک ادنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والے بصیرت وعلم کے لیے اتنا کافی ہے۔

مشورہ:

واضح رہے کہ جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ مردانیت کی صفت سے نوازا ہے، اگر اس کی بیوی کے اندر کسی کمی کی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسری، تیسری، چوتھی شادی کرکے اولاد کی خواہش پوری کرسکتا ہے، اس طرح مرد اور عورت دونوں اولاد سے مالا مال ہوسکتے ہیں۔ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر مرد کے اندر مردانیت نہیں ہے یا کوئی خامی ہے اور عورت کا حال درست ہے تو ایسے موقع پر مرد کو چاہیے کہ ممکنہ علاج کرکے اپنے قوتِ مردانیت کو بحال کرنے کی کوشش کرے اور اگر علاج بالکل مفید نہیں ہے، تو ایسے حالات میں عورت کے فطری جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اسے طلاق دیدے اور اس کے فطری جذبات کو قربان نہ کرے، ایسے موقع پر طلاق نہ دینا گناہ ہے۔ یہ چند کلمات لکھ دیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے نافع اور سببِ موعظت بناوے۔

وأخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وآله واصحابه اجمعين .

(ماخوذ و ملخص از جواهر الفتاوی : ۲۱۸/۱)

بدن پر داغ دے کر مرض کا علاج کرنا:

ایک طریقہ علاج کا بالکئی بھی ہے، آنحضرت ﷺ سے اونٹوں کو داغ دینا ثابت ہے، انسانوں کے متعلق کیا حکم ہوگا اس بارے میں احادیث قولیہ مختلف ہیں۔ بعض میں داغ دینے کی ممانعت وارد ہے اور بعض میں جواز اور فعلی حدیث میں صحیح یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود کبھی ایسا علاج نہیں کیا۔ (کما صرح بہ الحافظ فی الفتح الباری)

اور توفیق بین الروایات یہ ہے کہ نہی تنزیہ پر محمول ہے اور جواز اپنی اصل پر۔

كما ذكره الإمام القسطلاني في المواهب ولفظه حاصل الجمع ان الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لا يدل على المنع بل يدل على ان تركه ارجح من فعله ولذا وقع الثناء على تاركه واما النهي عنه فاما على سبيل الاختيار والتنزيه واما فيما لا يتعين طريقاً إلى الشفاء مواهب لدينه . (۱٦٦/۲)

اس لیے فقہاء حنفیہ نے اس بارے میں یہ اختیار فرمایا ہے کہ یہ علاج فی نفسہ جائز ہے مگر بلا ضرورتِ شدیدہ خلافِ اولیٰ ہے اور چہرہ پر اس کا عمل کرنا مکروہ ہے۔

قال في العالمگيرية (۲۳٦/٤) كشوري ـ في الباب الثامن عشر من الكراهية ما نصه ولا باس بكي الصبيان إذا كان لداء اصابهم وكذا لا باس بكي البهائم للعلامة كذا في المحيط للسرخسي ويكره الكي في الوجه كذا في الفتاوىٰ العتابية ـ انتهى .

(ماخوذ از إمداد المفتين)

حکیم کی اجرت کا حکم:

جو حکیم اپنے مریضوں سے فیس لے کر علاج کرتے ہیں شرعاً اس طرح فیس لے کر علاج کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حکیم کی اجرت جانے اور تشخیص مرض اور تجویز نسخے کی ہے اس میں کسی قسم کی

کراہت نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے بشرطیکہ حکیم حکیم ہو۔ یعنی کسی حاذق طبیب نے اس کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ باقاعدہ ڈاکٹری پڑھنے کی بجائے معمولی انگریزی پڑھ کر علاج کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے بہت سے مریضوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے بلکہ بعض لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ شرعاً یہ جائز نہیں۔ نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا بھی گناہ ہے۔ اس لیے قانون کے مطابق امتحان دے کر سند حاصل کی جائے اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: بل يمنع مفت ما جن يعلم الحيل الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها او لتسقط عنها الزكاة وطبيب جاهل.

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسے جاہل مفتی کو فتویٰ دینے سے روکا جائے گا جو لوگوں کو باطل حیلہ سکھاتا ہے جیسے عورت کو شوہر سے جدائی کے لیے مرتد ہونے کا مشورہ دینا یا زکاۃ ساقط کرنے کا حیلہ سکھانا، اسی طرح جاہل طبیب پر علاج کے سلسلہ میں پابندی عائد کی جائے گی۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله طبيب جاهل) بأن يسقيهم دواء مهلكا وإذا قوي عليهم لا يقدر على إزالة ضرره زيلعي. (ردالمحتار: ٥/٩٣)

تعویذ کا حکم:

بعض لوگ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ کو کاغذ میں لکھ کر مریضوں کو یا ضرورت مندوں کو دیتے ہیں جیسے وہ گلے بازو پر باندھتے ہیں، اس سے انہیں کافی رقم ملتی ہے۔ الغرض یہ عمل ایک کاروباری صورت اختیار کر گیا ہے۔ اب شریعتِ مطہرہ کی رو سے تعویذ کا کیا حکم ہے؟ اس پر اجرت لینے کا کیا حکم ہے اس کو تفصیل سے لکھتے ہیں:

احادیثِ صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (دَم) کا ثبوت بے غبار ہے، یعنی بکثرت روایات سے ثابت ہے باقی تمیمہ (تعویذ) کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں:

۱۔ ٹوٹکا جو پیتل، تانبے یا لوہے وغیرہ کے ٹکڑے کو باندھ کر کیا جاتا ہے۔

۲۔ تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اب بھی بعض جہال یوں ہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلا شبہ ناجائز اور حرام و شرک ہیں۔

تمیمہ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے، اس کو ناجائز کہنا جہالت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں مؤثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ جواز تمیمہ کے لیے تین شرائط ہیں:

(۱) لغت مفہومہ ہو۔

(۲) الفاظ ماثور و منقول ہوں۔

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

وكان عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فاعلقه عليه. (أبو داؤد: ۹۷/۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے سمجھدار بچوں کو معوذات سکھاتے تھے اور جو غیر سمجھدار تھے لکھ کر ان کے گلے میں لٹکاتے تھے۔

(٤) کسی غیر شرعی مقصد کے لیے نہ ہو جیسا کہ دو مسلمانوں کے درمیان نفرت اور عداوت پیدا کرنے کے لیے یا کسی اجنبی مرد یا عورت کے ساتھ ناجائز تعلق کے لیے تعویذ کیا جائے۔

باقی تعویذ لٹکانے کا عمل اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ یہ عمل ناجائز ہے صحیح نہیں، روایتِ مذکورہ بالا میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا گیا ہے جو اس عمل کے جواز کے لیے کافی ہے، ہر عمل شرعی کا روایتِ متواترہ سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔

اس عمل پر اجرت لینا فی نفسہ جائز تو ہے جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے۔ تفصیل کتاب الاجارہ میں گزر چکی ہے، لیکن اسے مستقل طور پر پیشہ بنا کر اختیار کرنا دین داروں کے لیے مناسب نہیں۔

کیونکہ آج کل اکثر عوام بے شمار گناہوں میں مبتلا ہیں، پھر وہ ایسی چیزوں کو سہارا بنا کر اور زیادہ دین سے دور ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑنے کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر

بھی اللہ تعالیٰ ہمارے کام کر دیتے ہیں تو اس سے ان کے دین کا نقصان ہوگا۔

اس عمل سے فائدہ ہونا یقینی نہیں، کبھی فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بالکل ڈاکٹر کی دوا کی طرح ہے کہ اس سے کبھی کسی مریض کو فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی فائدہ کی بجائے الٹا نقصان بھی ہوتا ہے۔

اس وقت مسلمانوں پر اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، یہ دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آیا ہے۔

لقوله تعالىٰ : وماأصابكم من مصيبة فبما كسبت ايدكم،

یعنی انسان جن آفات ومصائب کا شکار ہوتے ہیں وہ ان کے بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں،

اگر آج بھی سارے مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں گناہوں سے اجتناب کرنے کی مکمل کوشش کریں تو ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی وہی مدد آسکتی ہے جو کہ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی تھی۔

﴿ وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين ﴾

یعنی تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہے۔

تداوی بالمحرمات:

یعنی کسی حرام چیز کو بطورِ دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حالتِ اضطرار کی ہو، یعنی وہ محرم استعمال کیے بغیر جان کا بچنا مشکل ہو تو بقدرِ ضرورت تداوی بالمحرم بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ مرض کو دور کرنے کے لیے تداوی بالمحرم کی ضرورت ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی تداوی بالمحرم مطلقاً جائز ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں تداوی بالمحرم مطلقاً ناجائز ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسکرات سے تداوی ناجائز ہے، جبکہ باقی محرمات سے جائز ہے، حنفیہ میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں، جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خمر کے علاوہ باقی تمام محرمات سے تداوی جائز ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی طبیبِ حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداوی بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے، تو

اس صورت میں تداوی بالمحرم جائز ہوگا۔

حضرت مولانا ظفر عثانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تداوی بالمحرم اس وقت جائز ہے، جبکہ کوئی طبیب مسلم حاذق یا مسلمان ڈاکٹر حاذق یہ کہہ دے کہ اس مرض کے لیے صرف ایک دوا ہے اس کے قائم مقام کوئی دوا نہیں، اگر اس کے قائم مقام کوئی دوا ہو مگر اس سے شفاء دیر میں ہوگی اور حرام میں جلدی ہوگی تو اس میں دو قول ہیں:

قال في الهندية : وإن مريضاً اشار إليه الطبيب بشرب الخمر روي عن جماعة من آئمة بلخ أنه ينظران كان يعلم يقيناً أنه يصح حل له التناول اهـ يجوز لعليل شرب البول والدم واكل الميتة للتداوي إذا اخبره طبيب مسلم ان شفاهُ فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامهُ وإن قال الطبيب يتعجل شفاءك فيه وجهان هل يجوز شرب القليل من الخمر للتداوي إذا لم يجد شيئا يقوم مقامه فيه وجهان . اهـ .

(٢٣٦/٦)

پس جن دواؤں میں برانڈی یا شحم خنزیر کا ہونا معلوم ہو ان کا استعمال بدونِ شرط مذکور کے جائز نہیں اور ﴿والا ما اضطررتم اليه﴾ میں اس کو داخل کرنا عجیب فہم ہے۔

اضطرار اسباب یقینہ میں ہوا کرتا ہے اور تداوی وعلاج اسباب مظنونہ میں سے ہے۔

فلا اضطرار فيه اصلاً حتى لو ترك الدواء ومات لم يأثم ، ولو شرب الخمر وهو عطشان ومات اثم لتيقن زوال العطش بشربها وعدم تيقن زوال المرض به فافترقا .

قال في الهندية : وأكل الترياق يكره إذا كان فيه شيء من الحيات وإن باع ذلك جاز اهـ . (٢٣٦/٦)

اس سے ان ادویہ کا جواز بیع مفہوم ہوتا ہے جن میں شی محرم ملی ہوتی ہے بیع خالص محرم کی ناجائز ہے جیسے خالص شراب یا خالص شحم خنزیر اور مخلوط بالحرام کی بیع جائز ہے۔

كالسرقين المخلوط بالشراب يجوز بيعه .

باقی یہ علت لغو ہے کہ مسلمان تداوی بالمحرم میں کفار کے محتاج ہوں گے۔ آخر کون سی تجارت

ہے جس میں کفار سے مسلمانوں کو استغناء ہے پس احتیاج الی الکفار میں حرج کیا ہے جبکہ ہم مباحات میں بھی ان سے مستغنی نہیں ہیں۔ (ماخوذ از امداد الاحکام بتغیر یسیر)

الحدود والتعزیرات

حدود وتعزیرات کے احکام

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا انہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح شرع میں ''حدود'' کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جسقدر سزا دینے کو انسدادِ جرم کے لیے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے، حدودِ شرعیہ چار ہیں:

(۱) حدِ سرقہ: چوری کرنے پر حد۔

(۲) حدِ زنا: زنا کرنے پر

(۳) حدِ قذف: یعنی کسی پاکدامن عورت پر تہمت رکھنے کی سزا۔

(٤) حدِ شرب الخمر: یعنی شراب پینے پر سزا

حدود کی مشروعیت کی حکمت:

ان جرائم میں سے ہر جرم اپنی جگہ بڑا سخت اور دنیا کے امن کو تباہ کرنے والا اور بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ ان برائیوں پر قدغن لگانے کے لیے اور امتِ مسلمہ کو ان تباہ کن برائیوں سے بچانے کے لیے اور امت کی جان و مال، عزت وآبرو، ماں بہنوں کی عزت وعصمت کو بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے اسلامی سزائیں مقرر کیں تا کہ ان سزاؤں کو دیکھ کر لوگ ایسے جرائم کے ارتکاب سے باز آجائیں۔ معاشرہ میں امن وسکون قائم ہو، تا کہ کوئی بد بخت کسی کی ماں بہنوں کی عزت نہ لوٹے، کوئی ظالم سخت دل کسی کی جان سے نہ کھیلے، کوئی لالچی حریص کسی کے مال پر ناحق ہاتھ نہ ڈالے۔

پھر ان جرائم میں زنا خاص طور پر ایسا جرم ہے کہ اس کے انجام اور نتائج بہت ہی برے ہیں۔

کسی شخص کی بیٹی، بہن، بیوی پر ہاتھ ڈالنا اس کی ہلاکت کے مترادف ہے، شریف انسان جس میں شرم و حیا اور غیرت موجود ہے اس کو سارا مال و جائیداد اور اپنا سب کچھ قربان کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا اپنے حرم کی عفت پر ہاتھ ڈالنا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں روزمرہ یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حرم پر ہاتھ ڈالا گیا ہے وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر زانی کے قتل و فنا کے درپے ہوتے ہیں یہ جوشِ انتقام نسلوں میں چلتا ہے اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا، ماں بہن، بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتہ بھی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آسکتی ہے، جو زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔

غور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بدامنی اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اس کا بیشتر سبب عورت اس سے کم مال ہوتا ہے۔

یہ اسلامی سزائیں امن عالم کا ضامن ہیں، اگرچہ اہل مغرب و یہود و نصاریٰ اور مغرب زدہ لوگ جو مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور مادہ پرستی، نفس پرستی میں مبتلا ہیں ان کو یہ سزائیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لیے وہ ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں، آئے دن ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں اپنی نجی محفلوں میں حکومتی ایوانوں میں جہاں کہیں ان کو دریدہ دہنی کا موقع ملے وہ خدائی قوانین کے خلاف بیان بازی کر کے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرتے ہیں اور فحاشی و عریانی اور زنا جیسے شرمناک حیا سوز عذاب الٰہی کو دعوت دینے والے گناہ کرنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہیں اور ان کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشة وساء سبيلا ﴾

(سورة الإسراء : ٣٢)

یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ زنا کاری اور اس کے اسباب اور دیگر ذرائع سے اپنے آپ کو دور رکھے اور جہاں کہیں یہ بے حیائی کا کام ہو ان کو روکنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوشش کرے اب ہم زنا کی سزا کا تفصیلی ثبوت احادیثِ مبارکہ سے پیش کرتے ہیں:

حدِ زنا احادیث کی روشنی میں:

عن عبد الله بن عمر انه قال ان اليهود جاؤا الى رسول الله صلى

اللّٰه عليه وسلم فذكروا له ان رجلا منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما تجدون في التورات في شان الرجم فقالوا نفضحهم ويجلدون قال عبد اللّٰه بن سلام كذبتم ان فيها الرجم فاتوا بالتورات فنشروها فوضع احدهم يده على آيت الرجم فقرأ ماقبلها وما بعدها فقال له عبد اللّٰه ابن سلام ارفع يدك فرفع يده فإذا فيها آيت الرجم قالوا صدق يا محمد فيها آيت الرجم فامر بهما رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يحنأ على الامرأة يقيها الحجارة .

(بخاري : ۲/۱۰۱۱ ، ترمذي : ۱/۲۷۳ ، مؤطا إمام مالك : صـ ٦٨٣ ، مسلم : ١/٦٩)

عبداللہ ابن عمر سے راویت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے ایک عورت شادی شدہ کے ساتھ زنا کیا ہے اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہاری کتاب تورات میں رجم کے بارے میں کچھ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا اس میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے تورات میں رجم کی آیت موجود ہے اس پر ان میں سے کوئی تورات لے کر آیا اس کو کھولا اور ایک شخص نے آیتِ رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور آیتِ رجم سے آگے اور پیچھے پڑھ کر سنایا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے اس یہودی سے کہا جس نے آیتِ رجم پر ہاتھ رکھ دیا تھا تم اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ دیکھا کہ آیتِ رجم موجود ہے تو انہوں نے اقرار کرلیا کہ ہاں اے محمد! یہاں پر آیتِ رجمؒ موجود ہے۔ عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمایا اور دونوں کو رجم کیا گیا۔

حدیثِ مذکور سے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلم ذمی اگر زنا کرے اور دونوں شادی شدہ ہوں تو رجم کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے رجم کے بارے میں ان سے سوال کرنے اور آپ کے رجم کے حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خذوا عني خذوا عني ﴿ قد جعل الله لهن سبيلا ﴾ الثيب بالثيب جلد مائة ورمي بالحجارة والبكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة .

(مسلم : ۲/ ٦٧، ابو داوٗد : ۲/ ٦٠٦ اللفظ المسلم)

عبادۃ ابن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے سن لو کہ اللہ تعالی نے ﴿ او يجعل الله لهن سبيلا ﴾ کا وعدہ پورا فرمایا اور زانی مرد اور زانیہ عورت کا حکم متعین فرمایا۔ ان کے لیے شرعی راستہ بیان فرمایا وہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے زنا پر سو کوڑے اور سنگسار اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے صرف سو کوڑے اور ایک سال شہر بدر کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑے اور شہر بدر کرنے کا شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کے علاوہ سو کوڑے کا ذکر بھی ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے شادی شدہ مرد اور عورت کے بارے میں صرف رجم پر اکتفا فرمایا۔

عن ابي هريرة انه اتى رجل من المسلمين الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فناداه فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني زنيت فاعرض عنه فتنحى تلقاء وجهه فقال له يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني زنيت فاعرض عنه حتى ثنى ذلك عليه اربع مرات فلما شهد على نفسه اربع شهادات دعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابك جنون قال لا قال فهل احصنت قال نعم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذهبوا به فارجموه وفيه يقول جابر فكنت فيمن رجمه فرجمناه .

(بالمصلى ، مسلم : ۲/ ٦٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مسلمانوں میں سے ایک شخص مسجد نبوی میں آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اس شخص نے آواز دے کر کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے زنا کیا آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی پھر یہ شخص آپ کے سامنے کی طرف سے آیا

اور کہا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا آپ نے کوئی توجہ نہ دی اس طرح وہ بار بار کہتا رہا جب اس نے اپنے اوپر چار مرتبہ شہادت دی تو آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تجھے جنون تو نہیں اس نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا ہاں پس آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم یعنی سنگسار کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رجم کرنے والوں میں میں بھی تھا ہم نے اسے عیدگاہ میں جا کر رجم کیا۔ حدیث مذکور کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو کہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور وہ رجم کا یہ چشم دید واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کا حکم دیا اور رجم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ رجم کا واقعہ سورۂ نور کے بعد ہوا ہے کیونکہ سورۃ نور کی آیت الزانیۃ والزانی ۵ھ ہجری میں واقعہ افک کے موقعہ پر اتری، لہٰذا یہ اعتراض غلط ہوگا کہ رجم کے واقعات سورۂ نور سے قبل ہوئے ہیں۔

اور عبداللہ ابن ابی اوفی کا یہ کہنا کہ رجم کے واقعات سورۂ نور سے قبل ہیں یا بعد مجھے معلوم نہیں ہمارے استدلال کو مشتبہ نہیں بنا سکتا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جزم و یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں رجم ہوا ہے۔

عن عبد اللّٰه ابن بريدة قال فلما رجم ما عز بن مالك فجائت الغامدية فقالت يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم انى قد زنيت فطهرني وانه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما تردني لعلك ان تردني كما ردت ما عزا فواللّٰه اني لحبلىٰ قال الآن فاذهبى حتى تلدى، قال فلما هذا قد ولدته قال اذهبى فارضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبزٍ فقالت هذا يا نبي اللّٰه قد فطمته وقد اكل الطعام فدفع الصبي الى رجل من المسلمين ثم امر بها فحفرلها الى صدره وامر الناس فرجموها فيقبل خالد ابن وليد بحجر فرمى رأسه فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سبه اياها فقال مهلا يا خالد فو الذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفرله ثم امربها فصلى عليها ودفنت .

(مسلم : ۲/ ۶۸، ابو داؤد : ۲/ ۶۰۹)

عبد اللہ ابن بریدۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ماعز بن مالک اسلمی کو رجم کیا گیا تو غامدیہ کی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میں نے زنا کیا مجھے پاک کیجئے، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس عورت کو واپس کر دیا دوسرے روز پھر آئی اور گزشتہ روز کی طرح بات کی آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہیں دی تو عورت نے عرض کیا آپ مجھے کیوں واپس کر رہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ آپ ماعز بن مالک کی طرح مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے یقیناً زنا کیا ہے چنانچہ اب میں حاملہ ہوں۔ آپ نے فرمایا ابھی حد قائم نہیں کی جائے گی چلی جاؤ وضع حمل تک انتظار کرو جب وضع حمل ہو گیا پھر عورت بچہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھڑانے کا انتظار کرو۔ جب بچے کی مدتِ رضاعت ختم ہوگئی اور روٹی کھانے کے قابل ہو گیا وہ عورت بچے کو لے کر پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! میرے بچے کی مدتِ رضاعت ختم ہوگئی اب وہ کھانا کھانے لگا ہے پس رسول اللہ ﷺ نے بچہ کو کسی مسلمان کے ہاتھ پرورش کے لیے دے دیا اور عورت کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرام نے سینہ تک گڑھا کھود کر عورت کو اس میں ڈال کر رجم کیا۔ خالد بن ولید نے ایک پتھر لے کر اس کے منہ پر مارا جس سے خون نکل کر حضرت خالد کے چہرے پر آ پڑا حضرت خالد نے اس کو گالی دی رسول کریم ﷺ نے سن لیا اور حضرت خالد سے فرمایا: چپ رہ (اے خالد) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی اگر اس طرح کی توبہ ظلماً ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کا گناہ بھی معاف ہو جاتا اور پھر آپ نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کو دفنا دیا گیا۔

عن عمران بن حصين ان امرأة من جهينة اتت النبي صلى الله عليه وسلم وهي حبلى من الزنا فقالت يا نبي الله صلى الله عليه وسلم اصبت حداً فاقمه على فدعا نبي الله صلى الله عليه وسلم وليها فقال احسن اليها فإذا وضعت فاتني بها ففعل فامربها نبي الله صلى الله عليه وسلم فشدت عليها ثيابها فرجمت ثم صلى عليها فقال له عمر تصلى عليها يا نبي الله صلى الله عليه وسلم وقد زنت

قال لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة لو سعتهم.

(اللفظ المسلم: ٦٩/٢، ابو داؤد: ٦٠٩/٢)

عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ ایک عورت جہنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی جبکہ وہ زنا سے حاملہ تھی اوراس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیااور مجھ پر حد لازم ہوگئی لہٰذا آپ مجھ پر حد قائم کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلایااور کہا کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جب وضع حمل ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ اس عورت کے ولی نے ایسا ہی کیا۔ جب عورت کولایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم (سنگسار کرنے) کا حکم دیااور مضبوط کر کے اس پر کپڑے باندھ دیے گئے تاکہ رجم کی حالت میں بے پردگی نہ ہواور رجم کر کے اسے ہلاک کر دیا گیااور آنحضرت ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو زنا کیا ہے آپ اس کی نمازِ جنازہ ادا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس عورت نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو کافی ہے۔

یہاں پر ایک وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ غامدیہ والی عورت کے متعلق نبی کریم نے فرمایا کہ بچہ کو دودھ پلا کر جب وہ کھانا کھانے کے قابل ہو جائے پھر آنا تاکہ تمہارے اوپر حد قائم کی جائے اور جہینہ والی عورت کے متعلق فرمایا کہ وضع حمل کے بعد اس کو لاؤ تاکہ حد قائم کی جائے دونوں کے حکم میں فرق کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زانیہ عورت کے وضع حمل کے بعد بچہ کی پرورش کرنے کا انتظام ہے پرورش کرنے والا کوئی موجود ہے پھر تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم کی جائے گی اور اگر بچہ کی پرورش کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے تو دودھ چھڑانے تک انتظار کیا جائے گا۔

عن جابر أن رجلاً زنا بأمرة فلم يعلم باحصانه فجلد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم علم باحصانه فرجم. (أبو داؤد: ٦٠٩/٢)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس کا احصان ثابت نہ ہوا اس لیے آپ نے کوڑے کی سزا دی بعد میں معلوم ہوا کہ شادی شدہ تھا تو آپ نے رجم کیا۔

عن علي حين رجم المرأة يوم الجمعة قال رجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري: ١٠٠٦/٢)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک عورت کو رجم کیا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق رجم کیا ہے۔

عن عبد الله ابن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل دم امرء مسلم يشهدان لا إله إلا الله وانى رسول الله الا باحدى ثلاث الثيب الزاني والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة روته' عائشة فيه رجل زنى بعد احصان فانه يرجم .

(الخ اللفظ لابى داؤد : صـ ٥٩٨ ، بخاري : ١٠١٦/٢ ، مسلم : ١٩/٢)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر اس مسلمان کا خون جو اللہ کے ایک ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے کی گواہی دے کسی دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں مگر تین میں سے کوئی ایک ہو تو حلال ہے:

(۱) جبکہ شادی شدہ زنا کرے۔

(۲) کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کیا ہو۔

(۳) جس نے دین کو بدلا یعنی مرتد ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ جس نے احصان کے بعد زنا کیا اسے رجم کیا جائے گا۔

عن عمر بن خطاب قال رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم ابو بكر و رجمت ولو لا انى اكره ان ازيد فى كتاب الله لكتبته' فى المصحف فانى قد خشيت ان يحىء اقوام فلا يجدونه فى كتاب الله فليكفرونه وفي الباب عن على حديث عمر حديث حسن صحيح وروي من غير وجه عن عمر . (ترمذي : ١٧٢/١)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ابو بکر نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اگر میں اس بات کو برا نہ جانتا کہ کتاب اللہ میں اضافہ کیا جائے تو رجم کی آیت (الشيخ والشيخة الخ) کو مصحفِ قرآن میں لکھ دیتا کیونکہ مجھے تو قوی اندیشہ ہے کہ کچھ دنوں

کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہ کتاب اللہ میں رجم کو واضح طور پر نہ دیکھنے کی وجہ سے منکر ہو کر کافر ہو جائیں گے۔ یہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو بے شمار طرق سے ثابت ہے۔

عمل بالرجم الخلفاء الراشدون قال عمر رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم ابو بكر و رجمت و كذا عن علي .

رجم پر خلفاء راشدین نے عمل کیا، حضرت عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رجم کیا۔ (مؤطا امام مالك : صـ ٦٨٦)

تاریخی اعتبار سے عہدِ رسالت میں کئی افراد پر رجم کیا گیا اور خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ میں رجم کیا۔

امام ترمذی نے حدیثِ رجم کے بارے میں جن راویوں کے نام ذکر کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

وفي الباب عن ابی بكر ، عبادة بن الصامت ، وابی هريرة ، وابی سعيد خدری ، وابن عباس ، جابر بن سمره ، وهزال بريدة ، سلمة ابن المحبق ، ابی بزرة ، عمران بن حصين . (ترمذي : صـ ١٧٢)

اور دیگر مختلف جگہ میں جن کا نام مذکور ہے ان میں عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عمر، حضرت عمر، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور حضرت علی بھی ہیں۔ حضرت عائشہ، براء بن عازب، عمرو بن العاص وغیرہ شامل ہیں۔

ان احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ عورت یا مرد کے بارے میں شرعی شہادت سے یا ان کے اقرار سے ثابت ہو جائے کہ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو ان کو بطورِ سزا سو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر حاکم ضرورت محسوس کرے تو ان کو جلاوطن بھی کر سکتا ہے اور اگر کوئی شادی شدہ جوڑا یا ایک سے یہ جرم ثابت ہو جائے تو اس کو بطورِ سزا سنگسار کیا جائے گا۔

زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم

آ جائے سزا کو چھوڑ بیٹھیں یا کم کر دیں اس لیے اس کے ساتھ حکم دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں۔ رافت رحمت اور عفو و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ تمام مخلوق کے ساتھ بے رحمی ہے اس لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ الزانية و الزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة و لا تأخذكم بهما رأفة في دين الله إن كنتم تؤمنون بالله و اليوم الاخر و ليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين ﴾ (سورة النور: ٢)

یعنی ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کے سو سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔'' (تاکہ ان کی رسوائی ہو اور دیکھنے، سننے والوں کو عبرت ہو)

ثبوتِ زنا کا طریقہ:

کسی پر زنا کے جرم ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں:

(۱) چار ایسے مرد گواہی دیں جن کی دیانت و ایمانداری پر اعتماد کیا جا سکتا ہو کہ ہم نے ان کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مجرم خود عدالت کے سامنے ارتکابِ زنا کا اعتراف کرے۔

کارو کاری کا حکم:

ہمارے ملک میں کارو کاری کے نام پر قتل کا ایک رواج ہے اس کے متعلق تفصیلی حکم کے لیے ہمارے دارالافتاء والارشاد میں ایک سوال آیا، اس سوال و جواب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں کہ سندھ، بلوچستان اور جنوبی پنجاب کے بیشتر علاقوں میں ایک رسم ''کارو کاری'' کے نام سے مروّج ہے۔ جس میں عورت کا شوہر کسی غیر مرد سے بیوی کے جنسی تعلقات (زنا) ہونے یا جنسی تعلقات کے شبہ کے بنا پر لفظ ''کاری'' کہہ کر گھر سے نکال دیتا ہے۔

لفظ ''کاری'' کے معنی اردو زبان میں سیاہ کے ہیں۔ یہ لفظ عورت کے کسی غیر مرد کے ساتھ

عین زنا یا شبہ زنا کی بنا پر بولا جاتا ہے۔ (جبکہ یہ لفظ ''کاری'' بعض علاقوں کے عرف میں گالی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے)

جس مرد و عورت پر کارو کاری کا الزام لگایا جاتا ہے اس مرد و عورت کو حتی الامکان قتل کر دیا جاتا ہے، جن کو بغیر نمازِ جنازہ اور کفن و دفن کے کسی گڑھے یا دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر وہ قتل سے بچ جائیں تو پھر یہ معاملہ علاقائی جرگہ کے پاس چلا جاتا ہے، جس میں ایک یا ایک سے زائد سردار و رئیس شریک ہوتے ہیں۔

بسا اوقات یہ جرگہ اسی لفظ ''کاری'' کو طلاق کے قائم مقام بنا کر عورت کو شوہر سے علیحدہ کر دیتا ہے اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور بعض علاقوں میں اس لفظ ''کاری'' کو طلاق کے قائم مقام نہیں سمجھا جاتا بلکہ علیحدگی کی صورت میں شوہر سے مستقل طور پر صریح الفاظ میں طلاق کہلوا کر عورت کو شوہر سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

نیز جرگہ کبھی ملزمہ کو بری کر دیتا ہے اور اس صورت میں شوہر ملزمہ کو دوبارہ بغیر نئے نکاح کے بیوی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور کبھی جرگہ مرد و عورت کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ (اگرچہ ثبوتِ جرم زنا میں شرعی طریقہ کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا) جس کا حل دو طرح سے کیا جاتا ہے:

۱۔ ملزمہ عورت کے سسرال والے مرد کے خاندان سے بعوض جرم لڑکی نکاح میں لیتے ہیں، جس کا نکاح وہ اپنی مرضی سے اپنے خاندان کے کسی بھی فرد سے کر دیتے ہیں۔

۲۔ ملزم کے قبیلہ سے بھاری مالی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔ جو ملزمہ کے سسرال کو بعوضِ جرم دیا جاتا ہے اور ایک مقرر حصہ سردار کو بھی دیا جاتا ہے۔

اس مذکورہ تفصیل کے بعد مندرجہ بالا رسم کے متعلق چند پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مطلوب ہے:

۱۔ حالتِ غضب میں شوہر کا بیوی کو لفظ ''کاری'' کہہ کر گھر سے نکال دینا طلاق ہے یا قذف؟

۲۔ اگر یہ لفظ طلاق ہے تو صریح ہوگی یا کنایہ عن الطلاق؟ اور اس سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی یا طلاقِ بائنہ؟

۳۔ مذکورہ الزام کے عدم ثبوت پر شوہر کا اس عورت کو نئے نکاح کیے بغیر بیوی کی

حیثیت سے اپنے پاس رکھنا کیسا ہے؟

٤۔ اگر شوہر بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ عین زنا کی حالت میں دیکھے تو ایسے شوہر کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟ آیا وہ اس زانی مرد اور بیوی کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ قتل کرنے کی صورت میں شوہر پر شرعا کوئی سزا ہوگی یا نہیں؟

٥۔ موجودہ دور میں جبکہ سرکاری عدالتیں اور قانون موجود ہے تو مذکورہ جرگہ و پنچائیت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا ان کو اس طرح کے معاملات کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور ان کے کیے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

٦۔ جرگہ کا جرم ثابت کرنے کی صورت میں مجرم مرد کے خاندان سے کسی لڑکی کو جرم کا عوض بنا کر نکاح کرانا شرعاً کیسا ہے؟

٧۔ ملزم کے خاندان سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس جرمانہ کا مصرف کیا ہوگا؟

٨۔ جہاں ملزم مرد وعورت کو بغیر نمازِ جنازہ اور کفن دفن کے گڑھے وغیرہ میں ڈال دیا جائے تو علاقہ والوں اور رشتہ داروں پر شرعاً کیا لازم ہوگا؟

ازراہِ کرم ان مسائل کا مدلل مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب:

واضح ہو کہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا گناہِ کبیرہ ہے، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں:

لقوله عليه السلام: اوّل ما يقضي بين الناس يوم القيامة في الدماء. (متفق عليه)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔ (بخاری ومسلم)

وقوله عليه السلام: لن يزال المؤمن في فسحة من دينه مالم يصب دما حراما. (رواه البخاري)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کوئی مسلمان قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو وہ ہمیشہ

اپنے دین کی وسعت اور کشادگی میں رہتا ہے۔ چونکہ قتل عظیم گناہ ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے حدود وقصاص کے نفاذ کو شخصی ذمہ داری میں دینے کی بجائے حاکم وقت کو ذمہ دار بنایا تاکہ مزید فتنہ فساد نہ ہو، نیز زنا کاری بہت قبیح فعل ہے، زنا اور اسبابِ زنا سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿ ولا تقربوا الزنی إنه كان فاحشة وساء سبيلا ﴾

(سورة الإسراء)

اسی طرح محض شبہ کی بناء پر بلا تحقیق کسی پر الزام لگانا بھی بڑا گناہ ہے، خصوصاً کسی پاکدامن خاتون پر زنا کا الزام لگانا۔

لقوله تعالیٰ: ﴿ إن الذين يرمون المحصنٰت الغٰفلٰت المؤمنٰت لعنوا في الدنيا والأخرة ولهم عذاب عظيم ﴾ (سورة النور)

(۳۔۱) اس وضاحت کے بعد صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شوہر لفظ "کاری" استعمال کر کے بیوی کو گھر سے باہر نکالے تو شرعاً اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا معنیٰ "زانیہ" کا ہے، یہ طلاق کے لیے مستعمل نہیں ہے، اس کے بعد اگر دونوں میں صلح صفائی ہو جائے تو اس عورت کو گھر میں بسانے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں، البتہ یہ زنا کی تہمت ہے، اس کا بڑا گناہ ہونا آیتِ بالا سے ثابت ہوا۔

(٤) اگر شوہر اپنی بیوی کو عین زنا یا بوس وکنار کی حالت میں دیکھے اور اس کو یقین ہو کہ بیوی بھی راضی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ بیوی کو اسی زنا کی حالت میں قتل کر دے۔ اسی طرح زانی مرد کو بھی اسی حالت میں قتل کرنا جائز ہے۔ یہ قتل تعزیر ہے، حد نہیں، کیونکہ حد لگانا صرف حاکم کا حق ہے، نیز تعزیراً قتل کا جواز عین اسی حالت کے ساتھ خاص اور اس تک محدود ہے۔

قال في التنوير في باب التعزير: ويكون بالقتل كمن وجد رجلا مع امرأة لا تحل له إن كان يعلم أنه لا ينفر بصياح وضرب بما دون السلاح وإلا لا وإن كانت المرأة مطاوعة قتلهما، ولو كان مع امرأته وهو يزني بها أو مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعاً مطلقا.

(الدر المختار مع ردالمحتار باب التعزير: ٤/ ٦٢)

باقی اس قتل کی وجہ سے کوئی ضمان لازم ہوگا یا نہیں؟ یہ اس پر موقوف ہے کہ اگر وہ شخص زنا کو

گواہوں کے ذریعہ ثابت کردے کہ یہ اس وقت زنا میں مبتلا تھا، تو اس قاتل پر کوئی ضمان نہیں آئے گا، ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

وأيضاً فيها معزيا إلى الحاوي الزاهدي: رجل رأي رجلاً مع امرأته يزني بها أو يقبلها أو يضمها إلى نفسه وهي مطاوعة فقتله أو قتلهما لا ضمان عليه ولا يحرم من ميراثها إن اثبته بالبينة أو باقرار ولو رأي رجلا مع امرأته في مفازة خالية او رآه مع محارمه هكذا ولم يرمنه الزنا ودواعيه قال بعض المشايخ: حل قتلهما وقال بعضهم لا يحل حتى يري منهما العمل أي الزنا ودواعيه ومثله في خزانة الفتاویٰ اهـ. (ردالمحتار: ٦٣/٤ باب التعزير)

(٥) جرگہ اور پنچائیت کی حیثیت "حَکَم" کی ہے، ان کو تعزیر کا تو حق ہوتا ہے لیکن حدود وقصاص کے فیصلے کرنے کا حق نہیں، اگر فیصلہ کر دیا تو نافذ العمل نہیں ہوگا، البتہ پنچائیت کو فریقین کے درمیان صلح صفائی کرانے کا اختیار ہے، مگر اس میں کسی ماہر مفتی کا ہونا ضروری ہے تا کہ جہاں شرعی مسائل میں رہنمائی کی ضرورت ہو وہ رہنمائی کر سکے اور پنچائیت کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو سکے۔

(قوله: يسئالهما الإمام) اشار إلى ما في البحر عن القنية من أنه ليس لقاضي الرستاق أو فقيهه أو المتفقهة أو أئمة المساجد إقامة حد الشرب، إلا بتولية الإمام.

(ردالمحتار: ٤٠/٤، باب حد الشرب)

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله: ولا يقيم المولي الحد على عبده إلا بإذن الإمام وقال الشافعي رحمه الله: له أن يقيمه لان له ولاية مطلقة عليه كالامام، بل اولىٰ لانه يملك من التصرف فيه مالا يملكه الإمام كالتعزير ولنا قوله عليه الصلوٰة والسلام: اربع إلى الولاة وذكر منها الحدود، ولأن الحد حق الله تعالىٰ لأن المقصد منها اخلاء العالم عن الفساد، ولهذا لا يسقط بإسقاط العبد فيستو فيه من

هو نائب عن الشرع وهو الإمام او نائبه بخلاف التعزير لانه حق العبد ، ولهذا يعزر الصبي وحق الشرع موضوع عنه .

(هدایه مع فتح القدیر : ٥/٢٢٤)

(٦) اس جرم کے عوض میں خاندان کی کوئی لڑکی نکاح میں دینا ظلم اور سخت گناہ ہے، کیونکہ شرعاً نکاح کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان خوشگوار ازدواجی زندگی قائم ہو اور توالدو تناسل کے ذریعے نسل انسانی کو بڑھایا جائے، اس کے لیے شریعت نے کفوء، مہر، نفقہ وغیرہ بہت سی باتوں کا خیال رکھا، لڑکی عوض کے طور پر نکاح میں دینے سے یہ حقوق تلف ہوتے ہیں اس لیے ایسا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

(٧) مالی جرمانہ، نصوصِ قرآنیہ، احادیثِ صریحہ اور اصولِ شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس لیے جرگہ والوں کا یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

قال العلامة العلائي رحمه الله تعالىٰ : (لا بأخذ مال في المذهب) بحر وفيه عن البزازية : وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له فإن ايس من توبته صرفه إلى ما يرى . وفي المجتبىٰ : إنه كان في إبتداء الإسلام ثم نسخ .

(ردالمحتار : ٦١/٤) (والتفصيل في أحسن الفتاوىٰ : ٥٤٩/٥)

(٨) اگر ایسے شخص کا انتقال ہو جائے یا کوئی اس کو قتل کر دے تو اس کی لاش کی بے حرمتی جائز نہیں بلکہ لازم ہے کہ اس کو عام مسلمانوں کی طرح کفن دیا جائے اور جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، جرم ثابت ہونے کے بعد بغیر توبہ کے مرنے کی صورت میں علاقہ کا بڑا عالم یا دینی اعتبار سے مرتبہ رکھنے والا شخص اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو، تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ : ويغسل ويكفن ويصلى عليه لقوله عليه الصلوٰة والسلام في ما عز : " اصنعوا به كما تصنعون بموتاكم ." (هداية مع فتح القدير : ٢١٤/٥ كتاب الحدود)

حیوان سے بدفعلی کی سزا:

اگر کسی نے بھینس سے بدفعلی کی تو اس کا یہ حکم ہے کہ اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی

رائے پر ہے اور بھینس کو ذبح کر کے دفن کر دینا یا جلا دینا مندوب ہے، بدفعلی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا مالک کے لیے ضامن ہوگا، ذبح کر کے دفن کرنا ضروری اور واجب نہیں، صرف اس لیے مندوب ہے کہ گناہ کی یادگار کو ختم کرنے سے بدفعلی کرنے والے سے عار زائل ہو جائے، اس لیے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے، اس زمانہ میں ذبح کو ضروری اور واجب سمجھتے ہیں اور ایسے جانور کے گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرتے ہیں، لہٰذا اس زمانہ میں ذبح کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ مندوب کو ضروری سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا سخت گناہ ہے، ایسے موقع پر مندوب پر عمل کرنا بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

والدليل على كل ما ادعينا مافي غسل الشامية تحت (قوله ولا عند وطء بهيمة الخ) وفي القنية برمز اجناس الناطفي فرج البهيمة كفيها لا غسل فيه بغير إنزال ويعزر وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الاستحباب ولا يحرم اكل لحمها به اهـ وسيأتي في الحدود .

(ردالمحتار : ١

وقال في الحدود (قوله وتذبح ثم تحرق) اي لقطع امتداد التحدث به كلما رؤيت وليس بواجب كما في الهداية وغيرها وهذا إذا كانت مما لا يؤكل فإن كانت تؤكل جاز اكلها عنده وقالا تحرق ايضاً ، (قوله الظاهر انه يطالب ندباً الخ) اي قولهم يطالب صاحبها ان يدفعها الى الواطیء ليس على طريق الجبر وعبارة النهر و الظاهر انه يطالب على وجه الندب ولذا قال في الخانية كان لصاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة اهـ وعبارة البحر والظاهر انه لا يجبر على دفعها . (ردالمحتار : ٣)

وقال في شرح التنوير وكل مباح يؤدي إليه (الى الوجوب) فمكروه . (ردالمحتار : ١ ، اخر باب سجود التلاوة) وقال الطيبي في شرح المشكوٰة تحت حديث ابن مسعود رضي الله عنه فى التزام الانصراف عن اليمين بعد الصلوٰة ان من اصر على مندوب وجعله

عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان اهـ .

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ : ۵/ ۵۰۳)

کسی مسلمان کو کافر سے تشبیہ دینے کا حکم:

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب نے ایک صالح حافظ کو کہا کہ تجھ سے ابوجہل اچھا ہے، اس مولوی صاحب کے لیے شرعاً کیا سزا ہے؟ اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان مولوی صاحب نے کسی خاص صفت میں ابوجہل کو اچھا کہا ہوگا اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ امر واقعی ہے کہ بعض اوصاف میں بعض کافر بعض مسلمانوں سے اچھے ہیں، اگر مولوی صاحب کا یہ مطلب نہیں بلکہ ہر حیثیت سے ابوجہل کو اچھا کہتا ہے تو اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ جس کو ابوجہل کہا اسے حقیقی کافر نہیں سمجھا صرف برا کہنا اور گالی دینا مقصود ہے۔

۲۔ اس کو واقعۃً کافر اور ابوجہل کی طرح مخلد فی النار سمجھے، صورتِ اولیٰ میں یہ لفظ کہنے والا فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور حاکم اسے مناسب تعزیر دے گا اور دوسری صورت میں یہ شخص کافر ہے، اس لیے اس کا نکاح باطل ہو گیا، غرضیکہ کسی خاص صفت میں تشبیہ سے نہ فاسق اور نہ کافر اور اگر گالی کی نیت سے کہا تو فاسق اور حقیقۃً کافر سمجھا تو خود کافر ہو جائے گا۔ ان احتمالاتِ ثلاثہ کے بارے میں خود متکلم سے تحقیق کی جائے کہ اس کی کیا مراد ہے، جو مراد وہ خود بیان کرے گا اسی کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے۔

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر .

(بخاري كتاب الآداب : ۲/ ۸۹۳)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں آپس میں گالی دینا فسق کی علامت ہے اور لڑنا کفر ہے۔

وعن أبي ذر رضي الله عنه انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم

یقول لا یرمي رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلك . (حوالۂ بالا)

اوررسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کوئی کسی کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرتا ہے اور وہ شخص کافر یا فاسق نہ ہو تو یہ قول کہنے والے کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے۔

وفي شرح التنویر وعزر الشاتم بیا کافر وهل یکفر ان اعتقد المسلم کافر انعم والا لابه یفتی شرح وهبانیة ولو اجابه لبیك کفر خلاصة ، وفي الشامیة اي یکفران اعتقاده کافر الا بسبب مکفر قال في النهر وفي الذخیرة المختار للفتویٰ انه أن اراد الضم ولا یعتقده کفر الا یکفر وان اعتقده کفرا فخاطبه بهذا بناء علی اعتقاده انه کافر یکفر لانه لما اعتقده لما اعتقد المسلم کافراً فقد اعتقد دین الإسلام کفرا اهـ . (ردالمحتار باب التعزیر : ۲۵۳/۳)

تمامه (ردالمحتار : ۱۸۷/۳) وفي التنویر قال الاخر یا زاني فقال الاخر بل انت حدا بخلاف لو قال له مثلاً یا خبیث فقال بل انت، وفي الشامیة (قوله مثلاً) اي من کل لفظ غیر موجب لحد .

(ردالمحتار : ۱۷۸/۳)

شاگردکوسزادینے کاحکم:

استاذ اپنے شاگردوں کوتعزیر دے سکتا ہے، شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نابالغ کو اس لیے کہ اس کے ولی نے استاذ کو تادیب کا مالک بنادیا ہے اور بالغ کو اس لیے کہ اس نے خود استاذ کو اس کا اختیار دیا ہے۔

شیخ بھی اسی لیے مرید کوتعزیر دے سکتا ہے کہ مرید بیعت کے ضمن میں شیخ کو ہر قسم کا اختیار دیدیتا ہے۔

قال العلائي رحمه اللّٰه تعالیٰ : وفي القنیة له إکراه طفله علی تعلم قرآن وادب وعلم لفریضته علی الوالدین وله ضرب الیتیم فیما یضرب ولده ، وفي الشامیة (قوله وفي القنیة الخ) وفیها عن الروضة

ولو امر غيره بضرب عبده حل للمأمور به بخلاف الحر قال فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الأمر يامره بخلاف المعلم لأن المأمور يضربه نيابة عن الأب لمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك ابيه لمصلحة الولد اهـ . (ردالمحتار : ٣/١٩٥)

علامہ علائیؒ فرماتے ہیں کہ ''قنیۃ'' میں ہے کہ باپ کو حق حاصل ہے کہ اپنی اولاد کو قرآن، ادب اور علم فقہ سیکھنے پر مجبور کرے۔ اور جن صورتوں میں اپنی اولاد کی پٹائی کر سکتا ہے یتیم کی بھی کر سکتا ہے، آگے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ استاد شاگرد کو سزا دیتا ہے باپ کی طرف سے تادیب کا مالک ہونے کی بناء پر۔

طلبہ کو سزا دینے کے متعلق دارالافتاء علامہ بنوری ٹاؤن اور جامعہ دارالعلوم کراچی کا ایک مصدقہ فتویٰ بھی مع کچھ اضافہ کے ملاحظہ فرمائیے:

''اگر کوئی طالب علم سبق یاد نہیں کرتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو اس طالب علم کی اصلاح کے ارادہ سے اس کی مصلحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے استاذ طالب علم کو ضرب خفیفہ یعنی ہلکی پٹائی کر سکتا ہے۔

كما ذكره صاحب بحر الرائق : ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور ضربه بخلاف الحر . قال رضي الله عنه فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الآمر بأمره بخلاف المعلم لأن المأمور يضربه نيابة عن الأب لمصلحته والمعلم يضرب بحكم الملك بتمليك أبيه لمصلحة الولد اهـ . (٥/٤٩)

لیکن استاذ کا طالب علم کو ڈنڈے سے مارنا جائز نہیں، بلکہ ہاتھ سے تین ضرباتِ خفیفہ پٹائی کر سکتا ہے زیادہ پٹائی کی ممانعت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے مرداس معلم کو فرمایا جب تعلیم کے لیے بھیج رہے تھے کہ تین ضربات سے زیادہ نہ مارنا اگر آپ نے تین ضربات سے زیادہ کسی طالب علم کی پٹائی کی تو اس کا اللہ تعالیٰ آپ سے قصاص لے گا۔

البتہ اگر طالب علم نماز میں سستی کرتا ہے تو تادیباً اس کو ہلکے معمولی ڈنڈے سے تین ضرباتِ خفیفہ پٹائی کر سکتے ہیں کیونکہ شریعتِ محمدیہ میں جہاں بھی کسی جرم پر سزا عائد ہوتی ہے تو وہاں پر

شریعتِ محمدیہ کا مقصد انسدادِ فعل ہوتا ہے۔ اضرار انسان نہیں ہوتا، اور نماز کے علاوہ کسی اور جرم کے ارتکاب میں استاذ کے لیے ڈنڈے کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ ڈنڈے سے اس مجرم کو مارا جاتا ہے جس نے کسی کی مالی یا جانی نقصان کیا ہو۔

كذا في الشامي : قوله بيد اي ولا يجاوز الثلاث و كذلك المعلم ليس له ان يجاوز عما قال عليه الصلوٰة والسلام : لمرداس معلم اياك أن تضرب فوق الثلاث فانك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك اهـ . اسماعيل عن احكام الصغار للأستروشني وظاهره انه لا يضرب بالعصافي غير الصلاة ايضا قوله لا بخشبة اي عصا ومقتضى قوله بيد أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن السوط افاده ط قوله لحديث استدلال على الضرب المطلق واما كونه لا بخشبة فلان الضرب بها ورد في جناية المكلف اهـ . (ردالمحتار : ١/٣٥٢)

نیز یہ کہ طالب علم کو اس کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

كذا في المشكوٰة : عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا ضرب احدكم فليتق الوجه .

(رواه ابو داوٗد : صـ ٣١٦)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو (تعزیراً) مارے تو چہرہ پر نہ مارے۔

پھر استاذ کو سب طلباء کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے غلطی کرنے پر بعض کی پٹائی کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا بعض کے ساتھ سختی اور بعض کے ساتھ نرمی کرنا غرض ترجیحی سلوک کرنا جائز نہیں ہے۔

كذا في الهندية : ان يعدل بين الصبيان إذا تنازعوا وينصف بعضهم من بعض ولا يميل الى الاولاد الاغنياء دون الفقراء .

(عالمگيرى : ٥/٣٧٩)

فتاوی ھندیہ میں ہے کہ جب طلبہ کے درمیان جھگڑا ہوجائے تو سزاء دیتے ہوئے انصاف سے کام لیں، ایسا نہ ہو کہ فقراء کے بچوں کو نظر انداز کر کے اغنیاء کی اولاد کی طرف جھکاؤ کا برتاؤ ہو۔ بے رحمی اور ایسی سختی سے مارنا بھی جائز نہیں ہے، جس سے جسم میں زخم آجاتا ہو یا نشانات پڑ جاتے ہوں کیونکہ اس کا قیامت کے دن حساب ہوگا۔

كذا في العالمكيريه : إن لا يضرب الصبيان ضربا مبرحا ولا يجاوز الحد فإنه يحاسب يوم القيامة . (عالمگیری : ۳۷۹/۵)

اور اگر ایسی سختی کے ساتھ پٹائی کی جس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ہے تو ایسی تادیبی پٹائی کرنے میں باجماع فقہاء استاذ پر ضمان آتا ہے۔

كذا في شرح النقاية : ولو ضربه ضربا شديداً لا يضرب مثله في التأديب يضمن بإجماع الفقهاء . (۳۹۹/۲)

نیز اگر طالب علم دردوں کی تاب نہ لاسکا شدید زخمی ہوکر بیمار پڑ گیا یا اس سے مر گیا تو ایسی صورت میں ضمان اور دیت آئے گی۔

كذا في فتح القدير : وكذا المعلم إذا أدب الصبي فمات منه يضمن عندنا والشافعي . (۱۱۹/۵)

اس دور میں جبکہ لوگ اسلام کی بجائے اور ازموں کے درپے ہیں اور لوگوں کی ذہنیت مغرب کے سانچے میں ڈھل چکی ہے، ان حالات میں ایک مسلمان کا اپنے بچہ یا بچی کو دینی تعلیم کے لیے بھیجنا اور بچہ یا بچی کو علم دین کے لیے وقف کرنا بڑی قابل قدر بات ہے۔

بایں وجہ مدرس یا منتظم کے بے جا ظلم واستبداد کرنے سے طالب علم اگر علم دین سے محروم ہوگیا تو اس کے وبال کا سہرا اس مدرس یا منتظم کے سر پر ہوگا جو بے جا ظلم واستبداد کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مدرسین کرام اور اساتذہ علوم دینیہ کو صحیح طریقہ تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔"

دبر میں بدفعلی کی سزا:

یہ خبیث فعل زنا سے بھی بدتر ہے، شریعت کے علاوہ عقلاً اور طبعاً بھی یہ فعل بہت ہی خبیث ہے، اس خبیث فعل کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی تھی، اس لیے لوگ اس خباثت کو لواطت اور اس کے فاعل خبیث کو لوطی کہتے ہیں، ایسا نہیں کہنا چاہیے ایسے خبیث فعل اور خبیث

فاعل کو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کے نام کی طرف منسوب کرنا خلافِ ادب ہے، اس کی خباثت ایسی فاحشہ ہے کہ دنیا میں کوئی خبیث سے خبیث جاندار بھی ایسی خباثت کی رغبت نہیں رکھتا، یہ ایسا گندہ اور گھناؤنا فعل ہے کہ گندے سے گندے جانوروں کو بھی اس سے نفرت ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی خبیث قوم کو ایسا سخت عذاب دیا کہ ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دیا اور پھر اس پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان کے قصہ کو قرآن کریم میں بیان فرما کر رہتی دنیا تک ان کو رسوا کیا اور بتادیا کہ ایسے خبیث لوگوں کی اصل سزا یہی ہے مگر کوئی حکومت یہ سزا دینے پر قادر نہیں، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کے بعد بعض فقہاء رحمہم اللہ نے اس سے ملتی ہوئی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ ایسے خبیث کو کسی بلند مقام سے سر کے بل الٹا گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس طرح ہلاک کردیا جائے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اقتلوا الفاعل و المفعول به .

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا خبیث فعل کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو (تعزیراً) قتل کرو۔

دوسری حدیث میں ہے:

فارجموا الاعلی و الاسفل احصنا اولم يحصنا .

یعنی اوپر نیچے دونوں کو سنگسار کرو، محصن ہو یا نہ ہو۔ (یعنی شادی شدہ ہو یا نہ ہو)

پہلی حدیث حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، یہ حدیث مطلق ہے، یعنی اس میں قیدِ احصان مذکور نہیں۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، علاوہ ازیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ایسے مجرم کے لیے حدِ زنا مروی ہے۔

چونکہ یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے، اس لیے حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عدم رفع بھی بحکم رفع ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایسے خبیث شخص کا حال لکھ کر اس کی سزا دریافت کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت عمر، حضرت علی اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالاتفاق آگ میں جلا دینے کا مشورہ دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فیصلہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا، انہوں نے اس حکم کے مطابق اس کو جلا دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ایسے شخص کو جلا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور اس کی تائید میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سن کر حدِ زنا کے تحت غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کروایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصن کو رجم کروایا اور غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیثِ قتل کے راوی ہیں، مگر آپ کے ہاں طریق قتل یہ ہے کہ کسی بہت بلند مقام سے سر کے بل الٹا گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس کی وجہ اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کو جس عذاب سے ہلاک کیا اس کے ساتھ حتی الامکان مشابہت ہو جائے۔

یہ سب تفصیل ہدایہ، درایہ، نصب الرایہ اور محلی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر سخت عذاب، حضور اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ہلاک کرنے کے مختلف طریقوں کے بیان اور ان کے مطابق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی اس خبیث فعل پر اسی قسم کی بہت ہی سخت سزائیں بیان فرمائی ہیں۔ ان سزاؤں میں سے جن میں جان سے مار دینے کا حکم ہے یہ شرط ہے کہ کم از کم دو بار یہ فعل کیا ہو۔

البتہ صاحبین رحمہما اللہ اس پر حدِ زنا کے قائل ہیں، اس لیے ان کے ہاں رجم کے لیے تکرارِ فعل شرط نہیں، ایک بار ارتکاب سے بھی رجم کیا جائے گا اور حدِ زنا کے سوا موت کی دوسری سزاؤں میں شادی شدہ ہونا شرط نہیں، غیر شادی شدہ کے لیے بھی موت کی سزا ہے، اس لحاظ سے اہ۔

کے علاوہ سزاؤں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی اس فعل خبیث کی سزا زنا کی سزا سے بھی بہت سخت ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی بیان فرمودہ سزاؤں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ رجم، اگرچہ شادی شدہ نہ ہو۔

۲۔ حدِ زنا لگائی جائے، یعنی شادی شدہ ہو تو بذریعہ رجم ہلاک کر دیا جائے ورنہ سو کوڑے لگائے جائیں۔

۳۔ آگ میں جلا دیا جائے۔

٤۔ اس پر دیوار وغیرہ گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔

٥۔ کسی بلند مقام سے الٹا سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں حتیٰ کہ مر جائیں۔

٦۔ قتل کیا جائے۔

۷۔ سخت سزا دے کر قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ توبہ کرے یا قید ہی میں مر جائے۔

۸۔ بہت بدبودار جگہ میں قید رکھا جائے۔

قال في العلائية ولا يحد بوطء دبر وقالا ان فعل في الاجانب حد وان في عبده او امته او زوجته فلا حد اجماعا بل يعزر قال في الدرّ بنحو الاحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من محل مرتفع باتباع الاحجار وفي الحاوي والجلد اصح وفي الفتح يعزر ويسجن حتى يموت او يتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الامام سياسة (إلى قوله) وفي البحر حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا وطبعا والزنا ليس بحرام طبعا وتزول حرمته بتزوج وشراء بخلافها وعدم الحد عنده لا لخفتها بل للتغليظ لانه مطهر على قول، وفي الشامية (قوله حد) فهو عندهما كالزنا في الحكم فيحد جلدا ان لم يكن احصن ورجما ان احصن نهر ، (قوله بنحوا الاحراق الخ) متعلق بقوله يعزر وعبارة الدرر فعند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ تعزر بامثال هذا الامور واعترضه في النهر بان الذي ذكره غيره تقييد قتله بما إذا اعتاد ذلك

(الی قوله) قال البیری والظاهر انه یقتل في المرة الثانیة لصدق التکرار علیه اھ. وقال تحت (قوله وفي الحاوي وحبسه في انتن بقعة ردالمحتار: ۳/۱۶۰) (ماخوذ از احسن الفتاوی)

پنچائیت کی طرف سے تعزیر:

اگر چہ پنچایت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں معہٰذا اس پر حسبِ قدرت تغییر المنکر فرض ہے، نیز تادیبی کارروائی کے لیے جرم پر شرعی نصابِ شہادت ضروری نہیں، بلکہ قرائن قویہ کی بناء پر تادیب شرعاً جائز ہے، لہٰذا پنچائیت تادیب وتنبیہ کے لیے ناتمام شہادت اور قرائن وآثارِ قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کرسکتی ہے اگر چہ شرعی نصابِ شہادت موجود نہ ہو۔

بالغ اولاد کو تعزیر:

باپ کی طرف سے بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جاسکتی ہے، بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر دے سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفي رحمه الله تعالیٰ: فی الحضانة والغلام إذا عقل واستغنی برأیه لیس للاب ضمه الی نفسه إلا إذا لم یکن مأمونا علی نفسه فله ضمه لدفع فتنة او عار وتأدیبه إذا وقع منه شیء وفي الشامیة تحت قوله والغلام إذا عقل الخ المراد الغلام البالغ لان الکلام فیما بعد البلوغ وعبارة الزیلعي ثم الغلام إذا بلغ رشیداً فله ان ینفرد إلا ان یکون مفسداً خوفا علیه الخ

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اب باپ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے مجبور نہیں کرسکتا بلکہ اس کو اختیار ہوگا کہ کھانا، پینا، رہائش باپ کے ساتھ رکھے یا الگ رکھے، ہاں البتہ وہ لڑکا اپنے نفس پر مامون نہ ہو فتنہ کا اندیشہ ہو تو باپ کو حق ہوگا فتنہ اور عار سے بچنے اور ادب سکھانے کے لیے اس کو اپنے گھر میں رکھے۔

(قوله فله ضمه) اي للاب ولایة ضمه الیه والظاهر ان الحد کذلك بل غیره من العصبات کالاخ والعم ولم ارمن صرح بذلك ولعلهم اعتمدوا علی أن الحاکم لا یمکنه من المعاصي وهذا في

زمانـنـا غيـر واقـع فتعين الافتاء بولاية ضمه لكل من يؤتمن عليه من اقـاربـه ويـقـدر عـلـى حفظه فان دفع المنكر واجب على كل من قدر عـلـيـه لا سيـمـا مـن يـلـحـقه عاره وذلك ايضا من اعظم صلة الرحم والشـرع امـر بصلتها وبدفع المنكر ما امكن قال تعالىٰ ﴿ إن الله يأمر بـالـعـدل والاحسـان وإيتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبـغـى يعظكم لعلكم تذكرون ﴾ ثم رأيت في حاشية البحر للرملي ذكر ذلك بحثا ايضا الخ .

(ردالمحتار : ٢/٦٩٧) (ماخوذ از احسن الفتاوىٰ)

قصاص کے احکام:

قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لیے جائز ہے، اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔

كقوله تعالىٰ : ﴿ فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدىٰ عليكم ﴾

(٢١ : ١٩٤)

اسی لیے اصطلاح شرع میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

قتل عمد کی تعریف:

قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا اس چیز سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جائے، قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

قانونِ قصاص:

﴿ يـا يـهـا الـذيـن آمـنـوا كتـب عليكم القصاص في القتلىٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى ﴾ (سورة البقرة : ١٧٨)

'' اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین کے بارے میں (یعنی ہر) آزاد آدمی (قتل کیا جائے نہ دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں اور اسی طرح غلام غلام کے عوض میں

اور عورت عورت کے عوض میں۔"

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا، عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

قصاص کے قواعد واصول:

۱۔ اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے کہ قاتل کو پکڑ کر ولی مقتول کے حوالہ کرے۔

۲۔ اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وراث نے معاف نہ کیا ہو، معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۳ و ۱۴ میں آرہی ہے۔

۳۔ اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجبِ قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

٤۔ اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی شخص قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بھائی اور چچا اگر ارث سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں اور اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔

۵۔ قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔

٦۔ اولیاء میں قتیل کا والد موجود ہو تو بوقتِ اخذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔

۷۔ توکیل کی صورت میں بوقتِ قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، ولی قصاص کسی کو وکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔

۸۔ قتل موجب دیت میں دیت ورثہ میں بقدرِ حصص تقسیم ہوگی۔

۹۔ قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر ولی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو وہ ولی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

۱۱۔ اگر شاہد موجود نہ ہوں اور اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا پھر ولی مقتول کہتا ہے کہ میں نے حکم دیا تھا تو اسکا قول معتبر نہیں ہوگا، بلکہ اجنبی سے قصاص لیا جائے گا۔

۱۲۔ اگر کسی اجنبی نے قاتل کو قتل کر دیا یا وہ مر گیا تو مقتول اول کے ورثہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، وہ مقتول ثانی کے ورثہ پر یا ترکہ پر کسی قسم کا دعوی نہیں کر سکتے۔

۱۳۔ اگر کوئی وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، باقی ورثہ قصاص نہیں لے سکتے بلکہ دیت لیں گے۔

۱٤۔ اگر کسی وارث کے معاف کر دینے کے باوجود دوسروں نے قصاص لے لیا تو اگر قصاص لینے والے کو یہ معلوم تھا کہ بعض وارثوں کا معاف کرنا مسقط قصاص ہے تو قصاص لینے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر معلوم نہیں تھا تو قصاص نہیں بلکہ اس کے مال میں دیت آئے گی۔

حکومت کے فیصلہ کے بغیر قصاص لینے کا حکم:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے، مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کو حاصل کرنے کے لیے کسی مسلمان حاکم یا اس کے نائب کا فیصلہ ضروری ہے کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے کس میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں، جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں اس لیے باتفاق علماءِ امت حق قصاص حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ قرطبی (معارف القرآن: ۱/ ۴۳۷)

ورثہ میں سے کچھ نابالغ ہوں تو قصاص کا حکم:

اگر مقتول کے ورثاء میں سے ایک دو نابالغ ہوں تو قصاص لینے کے لیے ان کے بلوغ کا انتظار کرنا ضروری نہیں فی الحال قصاص لینا جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وللكبار القود قبل كبر الصغار خلافا لهما والاصل ان كل ما لا يتجزى إذا وجد سببه كاملا ثبت لكل على الكمال كولاية انكاح وامان الا اذا كان الكبير اجنبيا

عن الصغير فلا يملك القود حتى يبلغ الصغير اجماعا زيلعي فليحفظ.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله خلافا لهما) فعندهما ليس لهم ذلك إلا ان يكون الشريك الكبيرا بالصغير نهاية و قاساه على ما إذا كان مشتركا بين كبيرين واحدهما غائب (قوله والاصل الخ) استدلال لقول الإمام قال في الهداية وله انه حق لا يتجزي لثبوته بسبب لا يتجزي وهو القرابة واحتمال العفو من الصغير منقطع اي في الحال فيثبت لكل واحد كملا كما في ولاية الانكاح بخلاف الكبيرين لان احتمال العفو من الغائب ثابت اهـ.

(ردالمحتار : ٥/٣٤٧)

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کو ناحق قتل کر دیا اب وہ قاتل ہاتھ نہیں آ رہا ہے اس لیے اولیاء مقتول قاتل کے کسی رشتہ دار کو پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں تو یہ شرعاً بہت بڑا گناہ ہے، شرعاً یہ جائز نہیں کہ قاتل کے بدلہ میں کسی اور کو قتل کر دے۔ قصداً ایسا کرنے کی صورت میں قصاصاً اس قاتل ثانی کو بھی قتل کیا جائے گا۔

کتاب الدیات والحدود

کسی کو خطاً غلطی سے قتل کر دے یا ہو جائے تو قصاص کے بجائے مقتول کے اولیاء دیت وصول کرنے کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔ اس کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

دیت و عاقلہ کی تفصیل:

دیت کی تین صورتیں ہیں:

١۔ دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم: ٣٫٠٤٢ گرام، دس ہزار درہم: ٣٠٫٤٢ کلوگرام۔

٢۔ ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار: ٤٫٨٦ گرام، ہزار دینار: ٤٫٨٦

کلوگرام

۳۔ سواونٹ یاان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے:

(۱) یک سالہ بیس اونٹنیاں۔

(۲) یک سالہ بیس اونٹ۔

(۳) دوسالہ بیس اونٹنیاں۔

(٤) تین سال کی بیس اونٹنیاں۔

(۵) چار سالہ بیس اونٹنیاں۔

تعدادِ مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول راجح معلوم ہوتا ہے، معہذا قولِ ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کردی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل اہل دیوان سے ہوتو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں: یعنی وہ عاقل، بالغ، مرد جن کے نام سرکاری دفتر میں اس لیے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پارہے ہوں، اس لیے ان کو اہل عطا بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو۔ دیت وصول کرنے کی آئندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہوتو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر تفقہ ان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

عاقلہ کا مدار تناصر پر ہے، اس زمانہ میں تناصر کی کئی صورتیں ہیں: مثلاً سیاسی جماعتیں، اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہٰذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہوگا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوبِ دیت علی ترتیب الارث ہے، پہلے ابناء پھر آباء پھر بھائی، پھر بھتیجے پھر چچے، پھر چچازاد۔

قاتل سے بھی حصہ دیت وصول کیا جائے گا، خواہ وہ اہل دیوان سے ہو یا نہ ہو۔

واضطربت اقوال الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ في ذلك والصحيح ما حررنا .

نساء وصبیان ومجانین پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت اداء کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو، اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو، خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رق یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال میں دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت مال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں ۵۳۶ء۴ گرام سے زیادہ نہیں لیے جائیں گے۔

بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا:

ایک عورت بچے کو ساتھ لٹا کر سوگئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر اس کے پہلو کے نیچے دب گیا اور سانس بند ہو کر مر گیا تو اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہ گار ہوئی اس پر توبہ واجب ہے۔

۲۔ کفارہ یعنی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے ورنہ ساٹھ روزے پورے کرے۔

۳۔ ماں بچہ کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچہ کی میراث میں داخل ہے۔

٤۔ اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔

شادی کی تقریب میں فائرنگ:

سوال: شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو

گولی لگ گئی اور وہ مر گیا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں، اگر پوری دیت کی بجائے پانچ دس ہزار روپے پر اتفاق ہو جائے تو صحیح یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا کچھ رقم پر صلح کا حکم اس وقت ہے جس جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپے لینا دینا جائز نہیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا ہے جس کے احکام یہ ہیں:

۱۔ عاقلہ پر دیت۔

۲۔ قاتل پر کفارہ، یعنی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔

۳۔ توبہ واستغفار۔

سوال میں صلح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن روپے مجلس صلح ہی میں دینا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : وموجبه اي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جري مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل إذا الكفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة .

(ردالمحتار : ٣٤٢/٥)

وقال في الصلح : لو صالح بغير مقاديرها صح كيف ما كان بشرط المجلس لئلا يكون دينا بدين . (ردالمحتار : ٤٧٦/٤)

باقی اسلحہ کے ساتھ کھیلنا اور بے احتیاطی کے ساتھ چلانا یہ بھی بڑا گناہ ہے، جبکہ حدیث کی رو سے کسی مسلمان کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے، چہ جائیکہ اس طرح غلط استعمال کیا جائے جو کسی کی جان تلف ہونے کا سبب بنے اس لیے خوب خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

بس سے کچلنے کا حکم:

بس وغیرہ گاڑیوں کے تصادم سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطا شمار ہوگا، ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان ''دیت وعاقلہ کی تفصیل'' کے تحت گزر چکی ہے۔

حدود وکفارۂ سیئات نہیں:

حدِ شرعی مثلاً حدِ قذف، حدِ شرب خمر، حدِ زنا جاری ہونے کے بعد مرتکبِ جرم بدون توبہ

مؤاخذہ اخرویہ سے نہیں چھوٹ سکتا اس کے لیے توبہ و استغفار ضروری ہے۔

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

اگر کوئی شخص شفقت و پیار سے اپنے بچہ سے کھیل رہا ہو کہ اچانک بچہ اس کے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہو جائے تو شرعاً یہ قتل جاری مجرائے خطا ہے، اس کا حکم یہ ہے:

۱۔	توبہ	۲۔	عاقلہ پر دیت
۳۔	کفارہ	٤۔	حرمان عن الارث

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : والرابع ما جري مجراه اي مجري الخطأ (الى قوله) وموجبه اي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جري مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل إذا الكفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة .

(ردالمحتار : ٥/٣٤٢)

وفي الهندية : وعن ابن القاسم في الوالدين إذا لم يتعاهد الصبي حتى سقط من سطح ومات او احترق بالنار لا شيء عليهما الا التوبة والاستغفار واختيار الفقيه ابى الليث رحمه الله تعالىٰ على انه لا كفاره عليهما ولا على احدهما الا ان يسقط من يده والفتوىٰ على ما اختاره ابو الليث رحمه الله تعالىٰ كذا فى الظهيرية .

(عالمگیریة : ٦/٣٣)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ماں باپ نے بچہ کا خیال نہیں رکھا، یہاں تک وہ چھت سے گر کر مر گیا، یا آگ میں جل گیا دونوں پر توبہ و استغفار لازم ہے اس سے زائد کچھ لازم نہیں، فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں، مذکورہ صورتوں میں تو کفارہ لازم نہیں البتہ بے احتیاطی کی وجہ سے بچہ ہاتھ سے گر کر مر جائے تو کفارہ لازم ہوگا اور فتویٰ فقیہ ابو اللیث کے قول پر ہے۔

جماع موجب اسقاط کا حکم:

ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہو جائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی

کفارہ ہوگا یا نہیں؟ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر جماع بطریق معروف کیا تو اس پر ضمان نہیں اگر غیر معروف طریقہ سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجبِ اسقاط ہوتی ہے اور بنیتِ اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے:

۵۰۰ درہم: ۱۰۷ءاکلوگرام چاندی ایک سال میں۔

حاصل یہ کہ عاقلۂ زوجہ پر وجوبِ ضمان کے لیے تین شرائط ہیں:

۱۔ ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

۲۔ بدونِ اذن زوج ہو۔

۳۔ بنیتِ اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان غرہ ہے، اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔

باقی بعض لوگ حالتِ حمل میں جماع کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ خیال غلط ہے، البتہ قصداً ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں جس سے حمل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، یا کوئی ماہر ڈاکٹر عورت کے معاینہ کے بعد جماع کو نقصان قرار دے تب بھی اجتناب کیا جائے گا۔

عوام کو اجراءِ حد کا اختیار نہیں:

جتنی حدود ہیں، حدِ زنا، حدِ سرقہ، شرب خمر وغیرہ اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے، عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالىٰ: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذي يعم الحدود كلها فهو الامامة وهوان يكون المقيم للحد هو الامام اومن ولاه الامام وهذا عندنا (وبعد سطر) وبيان ذلك ان ولاية اقامة الحد انما ثبت للامام لمصلحة العباد وهي صيانة انفسهم واموالهم واعراضهم لان القضاة يمتنعون من التعرض خوفا من اقامة الحد عليهم والمولى لا يساوي الامام في هذا المعنى لان ذلك يقف على الامامة والامام قادر على الاقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له

قهرا وجبرا ولا يخاف تبعة الجناة واتباعهم لانعدام المعارضة بينهم وبين الامام وتهمة الميل والمحاباة والتواني عن الاقامة منتفية في حقه فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين.

(بدائع الصنائع : ۵۷/۷) (ماخوذ از احسن الفتاوی : ۵۵/۸)

حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

اگر کسی شخص پر تہمت لگائی گئی بعد میں شہادت وغیرہ کے ذریعہ ثابت نہ ہوسکی تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی، یہ حد مقذوف (یعنی متہم شخص) کے معاف کرنے سے ساقط نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک سوال و جواب احسن الفتاوی ۵۵/۸ سے کچھ تغیر کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے اور نہ خود صاحبِ معاملہ، نہ کسی مالی تاوان پر معاملہ ختم ہوسکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

جواب: سوال میں مذکورہ تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حدِ قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحبِ حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی۔ عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلبِ حد کا اختیار ہے، یعنی ایک دفعہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو شرعاً اس کو حق حاصل ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: ولا ارث فيه خلافا للشافعي ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتياض اي اخذ عوض ولا صلح ولا عفو فيه وعنه نعم لو عفا المقذوف فلا حد لا لصحة العفو بل لترك الطلب حتى لو عاد وطلب حد شمنى ولذا الايتم الحد الا

بحضرته. (ردالمحتار : ۱۷۳/۳

ڈاکہ ڈالنے کی سزا:

ہر مسلمان کی جان و مال محترم ہے، اس کو باطل طریقہ پر کھانا ناجائز اور حرام ہے، دوسرے کا مال ناحق طور پر کھانے کی ایک صورت ڈاکہ زانی لوٹ مار بھی ہے، یہ انتہائی قبیح فعل اور صریح ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من انتهب نهبة مشهورة فليس منا . رواه ابو داوٗد

(مشکوٰة : صـ ۳۱۳)

یعنی جس نے دوسرے کی کوئی چیز لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)

وقوله عليه السلام : إلا لا تظلموا إلا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (مشكوٰة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سنو ظلم مت کرو، سنو! کسی کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں۔ (بیہقی)

لیکن اگر کسی شخص یا جماعت نے یہ جسارت کر لی تو یہ گناہ اور حرام ہونے اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر حد بھی جاری ہوگی، اس حد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا أو يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف أو ينفوا من الارض ﴾

”یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر

معارف القرآن میں لکھتے ہیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟ لفظ ''محاربہ'' حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے، اور ظاہر ہے کہ اکادکا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ تفسیر مظہری

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور قانونِ حکومت کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہے، مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل و خونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں، اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہو گیا کہ لفظ مقاتلہ خونریزی لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے گو کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور گو ضمناً مال بھی لوٹا جائے اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان و مال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطورِ حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا ہے، جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے، اب سنیے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے؟ آیتِ مذکورہ میں رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں:

﴿ أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الارض ﴾

یعنی ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرارِ فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل وصلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاءِ مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے، جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی۔ یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ تفسیر مظہری وغیرہ

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اَو کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہاءِ امت صحابہ وتابعین کی ایک جماعت حرف اَو کو تخییر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت وشوکت اور جرائم کی شدت وخفت پر نظر کر کے ان کے حسبِ حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیب، عطاء رضی اللہ عنہم، داؤد، حسن بصری، ضحاک نخعی، مجاہد اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے حرف اَو کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر

آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آرہے تھے ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہو گیا اس کو جلا وطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دارالاسلام کے کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا ﴿ ان یقتلوا ﴾ یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلا واسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو، اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا ﴿ یصلبوا ﴾ ہے، یعنی ان کو سولی چڑھا دیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا ﴿ او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف ﴾ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنے پر سے کاٹ دیے جائیں اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلا واسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سزا سب کے لیے ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لیے سب شریکِ جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا، کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو ان کی سزا ﴿ أو ینفوا من الارض ﴾ ہے، یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

جلاوطنی کی صورتیں:

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعتِ فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظم نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے مجرم کو

قید خانہ میں بند کر دیا جائے یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا، امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے، یعنی جیل بھیج دیا جائے گا۔

ڈاکوؤں کی طرف سے عصمت دری کا حکم:

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل وخوں ریزی ہی پر اکتفاء نہیں ہوتا، بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغواء وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ ﴿ ویسعون فی الارض فسادا ﴾ اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے تو وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام و امیر واختیار ہوگا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حد زنا جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا، تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ تفسیر مظہری

ت میں فرمایا: یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود وقصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کر لے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

دوسری آیت میں ایک استثناء ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت وطاقت بحال ہے، اس حالت میں اگر توبہ کر کے رہزنی سے خود ہی باز آ جائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی، یہ استثناء عام قانون حدود سے مختلف ہے کیونکہ دوسرے جرائم چوری، زنا وغیرہ میں جرم کرنے اور قاضی کی عدالت میں جرم ثابت ہونے کے بعد اگر مجرم سچے دل سے توبہ بھی کرے تو گو اس توبہ سے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی مگر دنیا میں حد شرعی معاف نہ ہوگی، جیسا کہ چند آیتوں کے بعد چوری کی سزا کے تحت میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

حکمت اس استثناء کی یہ ہے کہ ایک طرف ڈاکوؤں کی سزا میں یہ شدت اختیار کی گئی ہے کہ پوری جماعت میں کسی ایک سے بھی جرم کا صدور ہو تو سزا پوری جماعت کو دی جاتی ہے، اس لیے دوسری

طرف اس استثناء کے ذریعہ معاملہ کو ہلکا کردیا گیا کہ توبہ کرلیں تو سزائے دنیا بھی معاف ہو جائے اس کے علاوہ اس میں ایک سیاسی مصلحت بھی ہے کہ ایک طاقت ور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا، اس لیے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قتل نفس ایک انتہائی سزا ہے، اس میں قانون اسلام کا رخ یہ ہے کہ اس کا وقوع کم سے کم ہو اور ڈاکہ کی صورت میں ایک جماعت کا قتل لازم آتا ہے اس لیے ترغیبی پہلو سے ان کو اصلاح کی دعوت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھی گئی۔

ڈاکہ سے توبہ کا واقعہ:

اسی کا یہ اثر تھا کہ علی اسدی جو مدینہ طیبہ کے قرب میں ایک جتھہ جمع کر کے آنے جانے والوں پر ڈاکہ ڈالتا تھا، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اس کے کان میں پڑ گئی

﴿ یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ﴾

قاری کے پاس پہنچے اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی دوسری مرتبہ آیت سنتے ہی اپنی تلوار میان میں داخل کی اور رہزنی سے توبہ کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت مدینہ پر مروان بن حکم حاکم تھے، حضرت ابو ہریرہ ان کا ہاتھ پکڑ کر امیرِ مدینہ کے پاس لے گئے اور قرآن کی آیتِ مذکور پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

حکومت بھی ان کے فساد و رہزنی سے عاجز ہو رہی تھی سب کو خوشی ہوئی۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آ گیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

حقوق العباد ادا کرنا لازم ہیں:

یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ حد شرعی کے معاف ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں گے بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے، البتہ چونکہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاءِ مقتول یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا اور جب کوئی مالی نقصان کسی کو پہنچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف

کرانا لازم ہے، امام اعظم رحمہ اللہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات یوں بھی ظاہر ہے کہ حقوق العباد سے خلاصی حاصل کرنا خود توبہ کا ایک جزء ہے بدون اس کے توبہ ہی مکمل نہیں ہوتی، اس لیے کسی ڈاکو کو تائب اسی وقت مانا جائے گا، جب وہ حقوق العباد کو ادا یا معاف کرالے۔ (ماخوذ از معارف القرآن: ۱۱۹/۳)

وروى البخاري عن انس بن مالك، ان رهطا من عرينة قدموا المدينة فاسلموا، فاجتؤو المدينة اي استو خموها لانها لم توافق مزاجهم فامرهم صلى الله عليه وسلم ان يخرجوا إلى ابل الصدقة اي الزكاة فيشربوا من ابوالها والبانها، ففعلوا، فلما صحوا، قتلوا الرعاة واستاقوا النعم ـ اي الابل ـ فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتي بهم، فقطع أيديهم وارجلهم، وثمل اعينهم ـ اي قلعها ثم ألقو في الحرة يستسقون فلا يسقون، حتى ما توا، وفيهم نزل آية الجزاء وهذا. (أخرجه البخاري في كتاب المحاربين: ١٧٥/٤)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ نقل فرمایا ہے کہ قبیلہ عرینہ کے ایک وفد نے مدینۃ الرسول ﷺ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، ان کے پیٹ پھول گئے تو آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مدینہ کے باہر جہاں صدقات کے اونٹ چرتے ہیں وہاں جا کر قیام کریں اور ان اونٹوں کے دودھ اور پیشاب استعمال کریں، انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے یہ حرکت کی کہ چرواہے کو قتل کر کے اونٹ ہنکا کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہونے کے بعد گرفتاری کے لیے قافلہ روانہ فرمایا وہ جا کر ان مرتدوں کو گرفتار کر کے لے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے جرم پر یہ سزا نافذ فرمائی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں نکال لی گئیں، پھر ان کو حرہ (یعنی گرم پتھروں) پر ڈال دیا گیا، وہ پانی مانگتے رہے لیکن ان کو پانی نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئے، انہی کے بارے میں یہ آیت سزا نازل ہوئی۔ (بخاری)

چوری کی سزا:

چوری کرنا یہ بھی عظیم گناہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جب خواتین

ایمان پر بیعت کے لیے حاضر ہوا کریں جن عظیم گناہوں سے بچنے کا عہد لینا ہے ان میں سے ایک ''لا یسرقن'' کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

حضرت میمونہ بنتِ سعد رضی اللہ عنہا نے سوال کیا'' یارسول اللہ (ﷺ) ہمیں چوری کا حکم بتائیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے اسے کھایا بلاشبہ وہ اس کی چوری کے گناہ میں شریک ہوگیا۔ (جمع الفوائد)

چوری کرنے سے حقوق اللہ تلف ہوتے ہیں، اس سے معاشرہ کا امن تباہ ہوتا ہے، فساد پھیلتا ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے اس پر دنیوی سزا بھی مقرر فرمایا، جسے اصطلاح میں حد سرقہ کہا جاتا ہے، جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

قوله تعالىٰ: ﴿ والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالاً من الله والله عزيز حكيم ﴾ (سورة المائدة: ٢٨)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ''چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کردار کے بدلہ میں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس میں تبعاً شامل ہوتی ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جملہ احکام میں قرآن وسنت کا یہی اصول ہے، لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ کر کے حکم دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے جن میں ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے تو ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کے لیے ضمنی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا۔

دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ لفظ سرقہ کا لغوی مفہوم اور شرعی تعریف کیا ہے؟

سرقہ کی شرعی تعریف:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رو سے

سرقہ ثابت ہونے کے لیے چند چیزیں ضروری ہوئیں۔

سرقہ کے احکام:

۱۔ اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی، جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

۲۔ دوسری چیز تعریف سرقہ میں مالِ محفوظ ہوتا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگراں چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھا لے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔

۳۔ تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو، وہ اس کو بالکل لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

سرقہ اور ڈاکہ میں فرق:

٤۔ چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے، غرض خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

ان تمام شرائط کی تفصیل سننے سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے عرف میں جس کو چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے، اس کے تمام افراد پر حد سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعاً عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔

چوری پر تعزیر:

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ لازم نہیں ہے کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے، بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق

اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے، جو جسمانی، کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حد شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز و حلال ہے، کیونکہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذاب آخرت کا ذکر نہیں، دنیوی سزا اور وہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے، ویسے کسی شخص کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے، جیسا کہ آیت قرآن کریم ﴿ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ﴾ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چوری میں جو الفاظ قرآن کریم کے آتے ہیں وہی زنا کی سزا میں ہیں، مگر چوری کے معاملہ میں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں ہے اور زنا میں اس کے برعکس عورت کا ذکر پہلے کیا گیا، چوری کی سزا میں ارشاد ہے: ﴿ السارق والسارقۃ ﴾ اور زنا کی سزا میں فرمایا ہے: ﴿ الزانیۃ والزانی ﴾ اس عکس کی حکمتیں حضرات مفسرین نے کئی لکھی ہیں، ان میں زیادہ دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ چوری کا جرم مرد کے لیے بہ نسبت عورت کے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کسبِ معاش کی وہ قوت بخشی ہے جو عورت کو حاصل نہیں، اس پر کسبِ معاش کے اتنے دروازے کھلے ہونے کے باوجود چوری کے ذلیل جرم میں مبتلا ہو، یہ اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے اور زنا کے معاملہ میں عورت کو حق تعالیٰ طبعی حیا و شرم کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لیے نہایت شدید جرم ہے، اس لیے چوری میں مرد کا ذکر مقدم ہے اور زنا میں عورت کا۔

آیت مذکورہ کے الفاظ میں چوری کی شرعی سزا بیان کرنے کے بعد دو جملے ارشاد فرمائے ہیں ایک ﴿ جزاء بما کسبا ﴾ یعنی سزا بدلہ ہے ان کی بدکرداری کا، دوسرا جملہ فرمایا ﴿ نکالا من اللہ ﴾ اس میں دو لفظ ہیں نکال اور من اللہ، لفظ نکال کے معنی عربی لغت میں ایسی سزا کے ہیں جس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے اور اقدامِ جرم سے باز آ جائیں، اس لیے نکال کا ترجمہ ہمارے محاورہ کے موافق عبرت خیز سزا کا ہو گیا، اس میں اشارہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا خاص حکمت پر مبنی ہے کہ ایک پر سزا جاری ہو جائے تو سب کے سب کانپ اٹھیں اور اس جرم قبیح کا انسداد ہو جائے، دوسرا لفظ من اللہ کا بڑھا کر ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ فرمایا جو یہ ہے کہ چوری کے جرم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ اس نے کسی دوسرے انسان کا مال بغیر حق کے لے لیا، جس سے اس پر ظلم

ہوا، دوسرا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی پہلی حیثیت سے یہ سزا مظلوم کا حق ہے اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ جس کا حق ہے اگر وہ سزا کو معاف کردے تو معاف ہو جائے گی جیسا قصاص کے تمام مسائل میں یہی معمول ہے، دوسری حیثیت سے یہ سزا حق اللہ کی خلاف ورزی کرنے کی ہے اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ جس شخص کی چوری کی ہے اگر وہ معاف بھی کردے تو بھی معاف نہ ہو، جب تک خود اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادیں، جس کو اصطلاحِ شرع میں حد یا حدود کہا جاتا ہے، لفظ من اللہ سے اس دوسری حیثیت کو متعین کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ سزا حد ہے قصاص نہیں ہے، یعنی سرکاری جرم کی حیثیت سے یہ سزا دی گئی ہے، اس لیے جس کی چوری کی ہے اس کے معاف کرنے سے بھی سزا ساقط نہیں ہوگی۔

آخر آیت میں ﴿ واللہ عزیز حکیم ﴾ فرما کر اس شبہ کا جواب دیدیا جو آج کل عام طور پر زبان زد ہے کہ یہ سزا بڑی سخت ہے اور بعض گستاخ یا ناواقف تو یوں کہنے سے بھی نہیں جھجکتے کہ یہ سزا وحشیانہ ہے، نعوذ باللہ منہ، اشارہ اس کی طرف فرمایا کہ اس سخت سزا کی تجویز محض اللہ تعالیٰ کے قوی اور زبردست ہونے کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کے حکیم ہونے پر بھی مبنی ہے جن شرعی سزاؤں کو آج کل کے عقلاء یورپ سخت اور وحشیانہ کہتے ہیں ان کی حکمت اور ضرورت اور فوائد کی بحث انہی آیات کی تفسیر کے بعد مفصل آئے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿ فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فإن اللّٰه يتوب عليه إن اللّٰه غفور رحيم ﴾

یعنی جو شخص اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آگیا اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

معافی میں بنیادی فرق:

ڈاکہ زنی کی شرعی سزا جس کا بیان چند آیات پہلے آیا ہے اس میں بھی معافی کا ذکر ہے اور چوری کی سزا کے بعد بھی معافی کا ذکر ہے، لیکن دونوں جگہ کی معافی کے بیان میں ایک خاص فرق ہے اور اسی فرق کی بناء پر دونوں سزاؤں میں معافی کا مفہوم فقہاء کے نزدیک مختلف ہے ڈاکہ زنی کی سزا میں تو حق تعالیٰ نے بطورِ استثناء کے ذکر فرمایا:

﴿ إلا الذين تابو من قبل ان تقدروا عليهم ﴾

جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکہ زنی کی جو شرعی سزا آیت میں مذکور ہے، اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں پر حکومت کا قابو چلنے اور گرفتار ہونے سے پہلے جو توبہ کرے اس کو یہ سزائے شرعی معاف کر دی جائے گی اور چوری کی سزا کے بعد جو معافی کا ذکر ہے اس میں اس سزائے دنیوی سے استثناء نہیں، بلکہ آخرت کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہونے کا بیان ہے، جس کی طرف ﴿فإن الله يتوب عليه﴾ میں اشارہ موجود ہے کہ حکامِ وقت اس توبہ کی وجہ سے شرعی سزا نہ چھوڑیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے جرم کو معاف فرما کر آخرت کی سزا سے نجات دیں گے، اسی لیے حضرات فقہاء تقریباً اس پر متفق ہیں کہ ڈاکو اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈاکہ کی شرعی سزا ان پر جاری نہ ہوگی، مگر چور اگر چوری کرنے کے بعد خواہ گرفتاری سے پہلے یا بعد میں چوری سے توبہ کر لے تو حدِ سرقہ جو دنیوی سزا ہے وہ معاف نہ ہوگی، گناہ کی معافی ہو کر آخرت کے عذاب سے نجات پا جانا اس کے منافی نہیں۔ (ماخوذ از معارف القرآن : ۱۲۹/۳)

نصابِ سرقہ:

فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ مال کی وہ مقدار جس کے چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، وہ دس درہم چاندی یا ایک دینار سونا ہے۔

دس درہم: ۳۰۶۲ء۳، ایک دینار: ۸۶ء۴ گرام سونا

اگر کوئی بد بخت چور اتنا یا اس سے زائد قیمت کی کوئی چیز چرائے، گرفتار ہونے پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ولا قامة الحد على السارق شرائط منها أن يكون المسروق ذاقدر وقيمة . وقد اعتبره الفقهاء بما قيمته دينار ، اور عشرة دراهم ، وما دون ذلك تافه و حقير ، فقد روي عن عائشة رضي الله عنها انها قالت : لم تكن يد السارق تقطع على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في الشي التافه .

(أخرجه ابن ابي شيبة وانظر نصب الراية : ۳۶۱/۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمولی چیز چرانے پر

ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی تھی، (اگرچہ وہ بھی بڑا گناہ ہے)

وروي البخاري عن عائشة انها قالت: لم تكن تقطع يد السارق على عهد رسول الله إلا في ثمن مجن جحفة او ترس. كل واحد منهما ذو ثمن. (أخرجه البخاري: ١٧٣/٤)

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم او ما يبلغ قيمته عشرة دراهم مضروبة من حرز لا شبهة فيه وجب عليه القطع. (هداية: ٥٤٤/٢)

صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب عاقل، بالغ شخص دس درہم یا اس کی قیمت کی کوئی چیز محفوظ جگہ سے چرائے اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ ہوگی۔

شراب نوشی کی سزا:

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قائل ہو کر توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے مکمل احکام شریعت کی پابندی کرنا یہ شرعاً مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر بندے سے اس کا مطالبہ ہے، اس کے لیے عقل ہوش وحواس کا قائم رہنا نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے جو عقل انسانی کو زائل کردے، جیسے شراب، بھنگ، چرس وغیرہ اور ارشاد فرمایا:

"كل مسكر حرام."

یعنی ہر نشہ آور چیز کا استعمال حرام ہے۔

اسی طرح شراب نوشی پر خاص وعیدیں بھی بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

كقوله عليه السلام: من شرب الخمر في الدنيا فمات وهو يد منها لم يتب لم يشربها في الاخرة. رواه مسلم (مشكوة: ٣١٧/٢)

یعنی جو شخص دنیا میں شراب پیے گا اس کو آخرت کی (پاکیزہ) شراب سے محروم کردیا جائے گا۔ (مسلم)

وقوله عليه السلام: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلثة قد حرم الله عليهم الجنة مد من الخمر، والعاق، والديوث الذى يقر السواء على اهله.

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں پر جنت کو حرام فرمایا ہے:

(۱) شراب کا عادی (۲) والدین کی نافرمانی کرنے والا

(۳) دیوث یعنی وہ شخص جو اپنے گھر والوں (ماں، بہن، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو دوسرے غیر مرد کے ساتھ بری حالت میں دیکھے اور برداشت کر جائے۔ (مسند احمد ونسائی)

شراب نوشی پر اخروی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی حد جاری ہوتی ہے۔

جو شخص شراب پیتا ہوا پکڑا جائے اور اس وقت بھی اس کے منہ میں شراب کی بو موجود ہے، اب وہ خود شراب نوشی کا اقرار کرے یا دو گواہ اس پر گواہی دیں اس پر حد لگائی جائیگی اسی کوڑے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله : ومن شرب الخمر فاخذ وريحها موجودة أو جاؤا به سكران فشهد الشهود عليه بذلك فعليه الحد ، و كذلك إذا اقر وريحها موجودة .

(هداية شرح البداية : ۲/ ٥١٥)

وفي المؤطا : أن الذي اشار على عمر بجلد الشارب ثمانين جلدة هو على بن ابى طالب فقد روي مالك بسنده عن ثور الديلى ، أن عمر بن خطاب استشار في الخمر يشربها الرجل .

فقال له على رضي الله عنه : نرى أن تجلده ثمانين ، فانه إذا شرب سكر ، واذا سكر هذى ، اي خلط في كلامه كالمجنون ، وإذا هذى افترى ـ اي كذب و قذف فجلد عمر فى الخمر ثمانين .

(أخرجه مالك في المؤطا : ۲/ ٤٢ في كتاب الاشربة)

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ شراب نوشی کی سزا میں اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جو شخص شراب پئے گا، ضرور ہذیان بکے گا اور اس میں کسی پر جھوٹی تہمت بھی رکھے گا اور حد قذف کی مقدار اسی کوڑے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے، یہی شرعی قانون بن گیا۔

قال فى ملتقي الابحر : ومن شرب خمراً ولو قطرة واحدة فاخذ

وريحها موجود في فمه أو جئ به سكران، ولو من نبيذ ونحوه من المسكرات، وشهد بذلك رجلان، أو اقر ـ أي اعتراف ـ به السكران، حد إذا صحا ثمانين سوطا للحر، واربعين للعبد، مفرقا على بدنه. (ملتقي الابحر للحلبي: ۱/۳۳۹)

کتاب متفرقات

اپریل فول (یکم اپریل کو دھوکہ دہی کرنا) کا حکم:

یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے، اسلامی طریقہ نہیں ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، حدیث شریف میں ہے:

ويل للذي يحدث فيكذب يضحك به القوم ويل له ويل له.

(ابو داؤد: ۲/۲۳۳)

اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور حدیث میں ہے:

لا يؤمن العبد الايمان كله حتى يترك الكذب في المزاحة والمراء وإن كان صادقا. (مسند احمد)

کوئی بندہ پورے پورے ایمان کا حامل نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کردے، خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں (خواہ صرف انداز جھوٹ کا ہو اگر واقع میں سچ ہو) اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بڑی خیانت ہے کیونکہ آدمی اللہ اور لوگوں کا امین ہے اس کو سچ ہی بولنا چاہیے، جھوٹ بولنا امانت کے منافی ہے، حدیث میں ہے:

كبرت خيانتك ان تحدث اخاك حديثا هو لك مصدق وانت له كاذب. (أبو داؤد شريف)

یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۳۵۱)

اس جھوٹ کی وجہ سے دوسروں کا بڑا نقصان بھی ہوتا ہے، ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہے جبکہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذاء رسانی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے۔'' لہٰذا اپریل فول کے نام بھی جھوٹ بولنا حرام اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

جانگیہ پہننے کا مسئلہ:

مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہے) ناف سے گھٹنے تک ہے، نماز اور خارج نماز ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا ضروری وفرض ہے، اس میں سے کوئی بھی حصہ عذرِ شرعی کے بغیر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے، موجبِ گناہ ہے (البتہ گھٹنے اور شرمگاہ کے کشف کا گناہ برابر نہیں ہے) ستر کے متعلق قرآن شریف میں ہے:

﴿ يا بني آدم قد أنزلنا عليكم لباسا يواري سوآتكم وريشا ﴾

(سورة الأعراف : ٢٦)

یعنی اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس بنایا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور باعثِ زینت بھی ہے۔

اس کی تفصیل حدیث شریف اور کتبِ فقہ کے حوالہ سے پہلے کتاب اللباس میں گزر چکی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

الركبة من العورة .

گھٹنا بھی داخل ستر ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ (یعنی گھٹنا چھپانا بھی ضروری ہے) (١/٦٧) ایسا جانگیہ (نصف پاجامہ) پہننے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، جس میں گھٹنے کھلے رہیں۔

آپ کی سہولت اور مزید اطمینان کے لیے ہند کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''تعلیم الاسلام'' کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

سوال: ستر چھپانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے ایسا فرض ہے کہ نماز کے اندر بھی فرض ہے اور نماز کے باہر بھی فرض ہے۔ (٣/ ٤٠)

خطرناک مرض:

جانگیہ پہننا ناجائز ہونا مردوں کے لیے بیان ہوا، بچوں کی عمر سات سال ہو جانے کے بعد ان کے لیے بھی ستر کو چھپانا ضروری ہے، بلکہ بعض فقہاء سے چار سال کا قول بھی منقول ہے۔ اس دور میں اس مسئلہ پر بہت غفلت پائی جا رہی ہے، مردوں اور بچوں کا رونا تو رو ہی رہے تھے، لیکن افسوس صد افسوس مسلمان بچیاں بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئیں ہیں، نیم عریاں لباس، آدھے آستین کی قمیص، چڈی میں بازاروں اور پارکوں میں نکل جاتی ہیں، والدین اس بے غیرتی کو کیسے برداشت کرتے ہیں؟ ہائے ہائے! ایک تو مسلمانوں کا وہ دور تھا کوئی غیر مرد کسی کی ماں بہن کی طرف غلط نگاہ اٹھا کر دیکھے تو اس پر خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں، اب یہی ماں باپ، بھائی، چچا، اپنے گھر کی خواتین کو لے کر حسن کی نمائش کے لیے ہوٹلوں اور پارکوں میں گھوم رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

وباءزدہ آبادی کو چھوڑنے کا حکم:

وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور ایسے عقیدہ سے بھاگنا کہ بیماری اور موت سے ہم بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جائیں گے ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الم تر إلى الذين خرجوا من ديارهم وهو الوف حذر الموت﴾ (سورۃ البقرۃ: پ ۲)

کیا ان لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں دیکھا (کیا آپ ﷺ کے ان کے حال سے واقف نہیں ہیں؟) جو موت سے بچنے کے لیے اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ (تعداد میں) ہزاروں تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مر جاؤ (تو مر گئے) پھر ان کو زندہ کیا۔ (سورۂ بقرۃ)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگلی امت کی ایک بستی میں وباء پھیلی تو ہزاروں (بروایت ستر ہزار) کی تعداد میں بھاگ گئے اور سمجھے کہ ہم موت سے نجات پا گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے برے عقیدہ کی سزا دی کہ ایک دم سب مر گئے۔ کوئی دفن کرنے کے لیے بھی باقی نہ رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک نبی وہاں پہنچے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت دینے

کے لیے زندہ کیا تب ان کو یقین ہوا کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

(تفسیر مظہری: ۱ / ۳۴۳، تفسیر احمدی [illegible] ۱۶۹)

واقعی موت اپنے وقت اور اللہ کے حکم کے سوا نہیں آتی اور وقت آ گیا تو ٹل بھی نہیں سکتی [illegible] خداوندی ہے۔

﴿ این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ ﴾
جہاں کہیں ہو گے وہاں تم کو موت آ پکڑے گی، چاہے مضبوط قلعہ میں کیوں نہ ہو۔

(سورۃ نساء)

﴿ قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم ﴾
(آپ ﷺ فرما دیجئے) کہ بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم کو پکڑے گی۔

(سورۃ جمعہ)

بے شک اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت جب آ جائے گی تو تاخیر نہ ہوگی۔ (سورۂ نساء)

زمانہ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے اور اس کے ساتھ کھائے تو اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لاعدوی'' یعنی (بلا تقدیر بلا حکم خداوندی کے) ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ صحت مند اونٹوں میں خارشی اونٹ مل جاتا ہے تو سب خارشی ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، پہلے اونٹ کو کس نے خارشی بنایا؟ جواب ظاہر ہے کہ اللہ نے تو پھر دوسرے اونٹوں کے لیے ایسا کیوں نہیں سمجھتے؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک جزامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کرایا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور تقدیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر عقیدہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وبائی جگہوں میں بلا ضرورت نہ جائے اور نہ وہاں سے بھاگے کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے یہ ہوا۔ نیز بھاگنے والا سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا ورنہ ضرور مبتلا ہو جاتا اور بھاگنے والا دوسروں کے لیے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے ایسی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی:

إذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها .

یعنی تم سنو کہ کسی جگہ وبا پھیلی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے مت نکلو۔

(بخاری شریف : پارہ ۲۳ ، ۸۵۳/۲ ، مسلم شریف : ۱۲۹/۲)

اور فرمایا کہ بیمار اونٹ کو بیمار اونٹ کے ساتھ مت رکھو، اور ہدایت فرمائی مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے کہ عقیدہ کی حفاظت ضروری ہے، ڈاکٹر حکیم وغیرہ بعض امراض (ٹی بی، خارش، جذام، طاعون، انفلوائنزا وغیرہ) کو متعدی مانتے ہیں اور اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان کو بھی ماننا چاہیے کہ بیماری از خود متعدی اور مؤثر نہیں ہے بلکہ بحکم خدا اور تقدیر سے متعدی ہوتی ہے جس کے لیے حکم خدا نہ ہو اور جس کی تقدیر میں نہ ہو تو ذرہ بھی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھیے جذامی کے مکان میں سب جذامی نہیں ہوتے، ٹی بی والے مریض کے تیمار دار سب اس میں مبتلا نہیں ہوتے ۔ انفلوائنزا کے مریض کے ساتھ رہنے والے عموماً انفلوائنزا سے محفوظ اور بالکل صحیح سالم ہوتے ہیں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کے لیے خدا کا حکم ہو اسی کو مرض لگتا ہے اگر ایسا نہیں تو مریض کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے اور کھانے پینے کے باوجود صحیح و سالم کیوں رہتے ہیں؟

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظتِ عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لیے کی ہے نہ اس لیے کہ مرض سے بچے اور وہ بھی ہر ایک کے لیے ہر حال میں حکم وجوبی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: فراراً منه .

(وبا سے بھاگنے کے ارادہ سے نہ نکلو) کے الفاظ ہیں اس کی شرح میں لکھا ہے اگر وبا سے بھاگنے کے علاوہ دوسری کوئی وجہ اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں عقیدہ پختہ اور مضبوط ہو ڈانواڈول نہ ہو۔ (فتح الباری وغیرہ)

اور درمختار میں ہے:

واذا خرج من بلدة بها الطاعون فان علم ان كل شيى بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بان يخرج ويدخل . وان كان عنده انه لو خرج

تحاولو دخل ابتلا کرہ له ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده.

یعنی جو شخص وبائی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الٰہی سے ہے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس کو نکلنے اور وہاں جانے کی اجازت ہے اور اگر اعتقاد ایسا ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں گا ورنہ مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو وہاں سے نکلنے کی اور جانے کی اجازت نہیں۔ تا کہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے۔ (درمختار مع الشامی: ۳۲۱/۵)

ہاں! وہاں سے آسکتے ہیں، دفع وباء تک وہاں قیام کرنا لازم نہیں، قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہو کر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا، تاہم نیت کی درستی ضروری ہے۔

وفي هذه الاحاديث منع القدوم على بلد الطاعون ومنع الخروج منه فراراً من ذالك اما الخروج فلا باس به.

(نووي شرح مسلم: ۲۲۸/۲)

ہاں! بضرورت وہاں جاسکتے ہیں اور سفر بھی کر سکتے ہیں جب وباء سے فرار کا قصد نہ ہو۔

لكن ابو موسى حمل النهى على من قصد الفرار محضاً ولا شك ان الصور ثلاث من خرج لقصد الفرار محضا فهذا يتناوله النهى لا محالة ومن خرج لحاجة متمحضة لا لقصد الفرارا اصلا ويتصور ذلك فيمن تهيأ للرحيل من بلد كان بها الى بلد اقامته مثلا ولم يكن الطاعون وقع فاتفق وقوعه فى اثناء تجهيزه فهذا لم يقصد الفرار اصلا فلا يدخل في النهي والثالث من عرضت له حاجة فاراد الخروج اليها وانضم الى ذلك انه قصد الراحة من الاقامة بالبلد التي وقع بها الطاعون فهذا محل النزاع. (فتح الباري: صـ ۱۵۹)

ہاں! تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے شہر کی حد میں جنگل اور میدان میں جاسکتے ہیں نیت یہ ہونی چاہیے کہ تبدیلی آب و ہوا بھی ایک علاج ہے۔ لہٰذا بغرضِ علاج نکلتے ہیں۔

غرض یہ کہ وبائی جگہ سے بارادہ فرار نہ نکلے، اللہ پر بھروسہ کر کے صبر و ہمت سے رہے۔ تقدیر میں موت ہوگی تو آئے گی اور درجہ شہادت حاصل ہوگی۔ جب موت بھاگنے سے نہیں ٹلتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ: ۳۹۲/۲)

ٹیبل، کرسی اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانا:

زمین پر دستر خوان بچھا کر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، ٹیبل، کرسی پر کھانے کا طریقہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ طریقہ متکبروں اور فیشن پرستوں کا ہے لہذا قابل ترک ہے، البتہ کبھی ضرورت کی بناء پر ٹیبل، کرسی پر بیٹھ کر کھالیا اس کو بھی حرام اور ناجائز نہیں کہا جائے گا اس کی عادت بنالینا بہر حال قبیح فعل ہے۔ مالا بدمنہ میں ہے: ''مسلم راتشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔'' مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالا بد منه : صـ ١٣١)

اسی طرح ایک ساتھ مل کر ایک برتن میں کھانا بھی مسنون اور باعث برکت ہے الگ الگ پلیٹوں میں کھانا اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ غیر قوم کا طریقہ ہے کہ وہ دعوتوں اور گھروں میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں مگر سب کی پلیٹیں الگ الگ ہوتی ہیں اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی کیا صورت ہوگی؟ نیز یہ تو ہم پرستوں کا طریقہ ہے جو امراض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، حدیث میں ہے:

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلوا جميعا و لا تفرقوا فان البركة مع الجماعة .

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب ساتھ مل کر کھاؤ اور الگ الگ مت کھاؤ، ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے۔

(مشكوٰة شريف: صـ ٣٧٠ باب الضيافة)

ایک حدیث میں ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن شکم سیری نہیں ہوتی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، صحابہ نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" فاجتمعوا على طعامكم و اذكروا اسم الله يبارك لكم فيه . "

(ابو داؤد شريف : ١٧٢/٢ باب في الاجتماع على الطعام ، مشكوٰة شريف : صـ ٣٦٩ باب الضيافة ، حصن حصين صـ ١٠٩ منزل ٣)

سب ایک ساتھ مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں سب ایک

ساتھ مل کر کھاتے تھے۔

عن عبد الله بن بسر رضي الله عنه قال كان للنبي صلى الله عليه وسلم قصعة يحملها اربعة رجال يقال لها الغراء فلما اضحوا وسجدوا الضحى اتى بتلك وقد ثرد فيها فالتفوا عليها (اي اجتمعوا حولها) الخ .

(مشكوٰة شريف : صـ ۱۲٦۲ باب الضيافة ، جمع الفوائد : جـ ۱)

نیز حدیث میں ہے، خدا کا پسندیدہ کھانا وہ ہے جس میں بہت سے ہاتھ ہوں۔ (جمع الفوائد)

یہ ہے اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور مبارک طریقہ اس مبارک طریقہ کو چھوڑ کر نکبروں اور غیر قوموں کے طریقہ کو اختیار کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

رہا یہ سوال کہ ساتھ کھانے میں کھانا برباد ہوتا ہے تو یہ درحقیقت ایک شیطانی وسوسہ ہے، اگر لھانے والوں کی تعداد کے مطابق کھانا نکالا جائے اور ضرورت پڑنے پر دوسرا کھانا لیا جائے تو لھانا کس طرح ضائع نہ ہوگا اور اگر اس کے باوجود بھی کھانا بچ جائے تو اس میں کسی طرح کی کوئی رابی پیدا نہیں ہوتی، مؤمن کے جھوٹے میں شفاء ہے، لہٰذا اس کھانے کو ضائع نہ کیا جائے۔

قوله تعالىٰ : ﴿ ليس عليكم جناح ان تاكلوا جميعا او اشتاتا ﴾

''پھر اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔'' (سورۂ نور)

سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا کھاؤ ونوں جائز ہیں کسی میں کچھ حرج اور گناہ نہیں تو پھر ساتھ مل کر کھانے پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ تو واب یہ ہے کہ آیت میں نفس جواز کو بیان کیا گیا ہے کہ دونوں طرح کھانا جائز ہے، ساتھ مل کر کھا یہ بھی جائز ہے اور کسی وقت تنہا کھانے کا اتفاق ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں گناہ نہیں ہے مگر ن دونوں میں افضل طریقہ یہ ہے کہ سب ساتھ مل کر کھا ئیں اس میں برکت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض انصار رضی اللہ عنہم کی مادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب تک ان کے ساتھ کوئی مہمان نہ ہوتا تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے یا مہمان کی موجودگی میں مہمان ہی کے ساتھ کھانے کو ضروری سمجھتے تھے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا سب جائز ہے، اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، فوائد

عثمانی میں ہے، آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا، بعض حضرات کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہیں کھاتے تھے معلوم ہوا یہ غلو ہے، البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجبِ برکت ہوتا ہے۔

کما ورد فی الحدیث. (سورۂ نور، پارہ: ۱۸ رکوع: ۱۳)

معارف القرآن ادریسی میں ہے: نیز بعض انصار پر جود وکرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے تھے اور مہمان کا انتظار کرتے تھے، ان کے بارے میں آئندہ آیت اتری، تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ، اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے، مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

(معارف القرآن ادریسی: ۲۹۲/۸، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی: ۲۲۱/۱۸، مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند اور تفسیر مواهب الرحمن: ص ۲۴۶، ۲۴۷/۱۸ پارہ نمبر: ۱۸ و تفسیر روح البیان: ص ۱۸۱، ۱۸۲/۱۸)

تنہا کھانے کا رواج آج کل عام ہوتا جارہا ہے، غیر اقوام اور فیشن پرستوں نے اسے اپنایا ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً اہل علم حضرات کو، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مهما صارت السنة شعارا لاهل البدعة قلنا بتركها خوفا من التشبه بهم.

یعنی جب کوئی سنت مبتدعین کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم اس میں ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے بھی ترک کا فتویٰ دیں گے۔

(احیاء العلوم: ۲۷۰/۲ بحوالہ التشبہ فی الاسلام: ۱۶۳/۱)

اللہ تعالیٰ سنت کی عظمت اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ: ۴۳۰/۶ مع اضافہ)

استاذ کی جگہ پر بیٹھنا:

شاگرد کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ استاذ کی جگہ پر بیٹھے چاہے استاذ موجود نہ ہوں،

ادب واحترام کے خلاف ہے، خلاصۃ الفتاوی میں ہے

ولا يجلس مكانه ان غاب عنه . (٣٢٧/٤)

داڑھی پر تنقید کا حکم:

داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اس کا کٹوانا یعنی ایک مٹھی سے کم کرنا یا منڈانا حرام ہے ایسا شخص فاسق ہے، اس زمانہ انحطاط میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان اس حکم شرعی پر عمل کرتے ہیں لیکن بعض ایسے مسلمان بھی جو خاندانی طور پر اور نام کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں اعمال ان کے شریعت کے خلاف ہیں ایسے لوگ داڑھی رکھنے والوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افسوس! وہ زمانہ آ گیا ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان فاسق فاجر بن جائیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت! پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کے کام میں آڑ بن جاؤ گے اور بدی کا حکم کرو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا بے شک اس سے بھی زیادہ سخت، پھر فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم نیکی کے کاموں کو خراب اور بدکاری کے کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) کیا یہ سب آج نہیں ہو رہا ہے؟

لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور منڈانے کی تبلیغ کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ داڑھی منڈانے کو بہتر اور رکھنے کو خراب کہتے ہیں۔ جوان تو درکنار بڑی عمر کے لوگ بوڑھے بھی داڑھی منڈا کر سنتِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے برسرِ عام فاسق بن رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ''تم سفید بالوں کو مت نوچو، جو مسلمان حالتِ اسلام میں بوڑھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سفید بال کے بدلہ میں اس کو نیکی کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور اس کی خطا معاف فرماتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سفید بال اس کے لیے نور ہوں گے۔ (ابو داؤد شریف : ٢٢٥/٢)

ایک حدیث میں ہے کہ بوڑھے کو عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ شرماتے ہیں، اللہ اکبر اللہ تعالیٰ بوڑھوں کو ان کی معاصی کی سزا دیتے شرماتا ہے مگر بوڑھا داڑھی منڈا کر بڑھاپا چھپا کر نقلی جوان

بننے سے نہیں شرماتا؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر شبابکم من تشبه بکهولکم و شر کهولکم من تشبه بشبابکم .

نوجوانوں میں سب سے اچھا نوجوان وہ ہے جو بوڑھے کی مشابہت اختیار کرے اور بوڑھوں میں سب سے بدتر بوڑھا وہ ہے جو جوانوں کی مشابہت اختیار کرے۔

(کنزالعمال : ۱۲۹/۸)

داڑھی اسلامی وقومی شعار ہے اور مرد کے لیے زینت کی چیز ہے، بعض فرشتوں کی تسبیح ہے کہ

سبحان من زین الرجال باللحی و النساء بالذوائب .

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔ (الحدیث)

آنحضرت ﷺ نے داڑھی رکھی اور امت کو داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ کے عمل کو اپنانا اور آپ کے حکم و فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا شرط ایمان ہے کیونکہ اصطلاحِ شرع میں اسلام نام ہے نبی برحق کی ہدایت کے بموجب خداوندی احکام کی تعمیل کرنے کا، اپنی عقل اور چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اتباع کرنا اسلام نہیں بلکہ کفر ہے۔

کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فلا و ربك لا يؤمنون ﴾ إلى قوله : ﴿ ويسلموا تسليما ﴾

(سورة النساء)

یعنی قسم ہے میرے پروردگار کی، لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک آپ کو اپنے جھگڑوں اور معاملات میں حکم اور منصف نہ بنالیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی (اور ناگواری) نہ محسوس کریں اور پوری طرح (دل و جان سے) اس کو مان لیں اور تسلیم کر لیں۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب کچھ بجالائے مگر آپ ﷺ کے کسی عمل کے بارے میں بطورِ اعتراض یہ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ آیا آپ ﷺ کے کسی حکم کے متعلق دل میں تنگی محسوس کرے تو صوم وصلوٰۃ وغیرہ اعمال ہونے کے باوجود وہ کافر ومشرک کے حکم میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ٥/٦٥)

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ:

ایک مسلمان اور یہودی کا مقدمہ آپ ﷺ کے دربار میں پیش ہوا آپ ﷺ نے تحقیق فرما کر یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا، مسلمان اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوا اور یہ مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سماعتِ مقدمہ کے بجائے فیصلہ یہ کیا کہ یہ مرتد ہو گیا ہے چنانچہ اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو منظور نہ کرنے والے کے لیے صحیح فیصلہ یہی ہے۔

یہ ایک ضابطہ اور قانون کی بات تھی کہ آپ ﷺ کے فیصلہ سے منحرف ہونے والا اور آپ ﷺ سے زیادہ کسی اور کو منصف قرار دینے والا مرتد کافر ہے اور اسلام کا نام لیتا ہے تو یہ نفاق ہے۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو جملہ کمالات اور محاسن کا کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾

تو کمال وہی ہے جو کمالاتِ نبوی کا پرتو ہو اور حسن وخوبی وہی ہے جو محاسن رحمۃ للعالمین ﷺ کا نمونہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حسن وکمال کے اس فلسفہ کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف عبادات میں سنن نبویہ کی اتباع کرتے تھے، نہ صرف اپنی عادتوں کو آپ ﷺ کی عادتوں کے سانچہ میں ڈھالتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے معمولی اشاروں کو بھی حکم کی حیثیت دیتے تھے اور اس کی تعمیل کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام کی اتباع سنت کی چند مثالیں:

مثلاً آپ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا:

اجلسوا، اجلسوا.

تشریف رکھیے، اب اس حکم کی تعمیل کیسے کی گئی؟ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:

١۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دروازے کے پاس تھے، جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑا فوراً بیٹھ گئے جب آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا تب وہاں سے اٹھ کر آگے گئے۔

٢۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب قبائل کی سرکشی اور ارتداد کی خبریں مدینہ منورہ میں پہنچنے لگیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ایسے وقت میں فوج کو شام بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے مدینہ شریف کو خالی دیکھ کر باغی اور مرتد قبیلے حملہ کردیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہوجائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ کھائیں تب بھی میں اسامہ کو (جو اس لشکر کے سپہ سالار تھے) اس مہم پر روانہ کروں گا جس پر آپ ﷺ روانہ فرمارہے تھے۔ (ابن عساکر وغیرہ)

٣۔ یہ خلیفہ اول صدیق اکبر کی شان تھی۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں سے سونے کی انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا انسان جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارا رکھتا ہے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو کسی نے ان سے کہا کہ اسے اٹھالو کسی اور کام میں لے آنا۔ اس صحابی نے جواب دیا نہیں، نہیں خدا کی قسم میں کبھی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے۔

(مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ص ٣٧٨)

٤۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک تالاب میں سے کھیت میں پانی دے رہے تھے کچھ آدمی اس طرف آئے ان کے پیروں سے نالی کی ڈول ٹوٹ گئی اور پانی باہر بہنے لگا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پانی کو خراب ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً بیٹھ گئے۔ پھر اسی کیچڑ میں لیٹ گئے جو وہاں موجود تھے انہیں بہت تعجب ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ سیدنا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کی لاپرواہی پر مجھے غصہ آیا ساتھ ہی مجھے آپ ﷺ کا ارشاد یاد آگیا کہ غصہ آئے تو بیٹھ جاؤ پھر بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جاؤ۔ لہٰذا میں نے اس ارشادِ گرامی کی تعمیل کی۔ یعنی نہ بدن کی پروا نہ کپڑوں کا خیال، نہ لوگوں کے ہنسنے اور مذاق بنانے کی فکر۔ آپ ﷺ کے ایماء مبارک کی تعمیل سب سے مقدم ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب کچھ ہیچ ہے۔

۵۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جمعہ کے لیے کپڑے بدل کر جا رہے تھے، راستہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے پرنالے سے مذبوحہ مرغی کے خون میں ملا ہوا پانی آپ کے اوپر گرا۔ آپ واپس مکان آئے کپڑے بدلے اور پرنالے کے متعلق حکم فرمایا کہ راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہو چکی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسبیل تذکرہ فرمایا کہ یہ پرنالہ آپ ﷺ نے اس جگہ لگوایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے یہ سنا فوراً اٹھے پرنالہ پر تشریف لے گئے۔ کوئی سیڑھی نہیں تھی تو خود جھک گئے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر فرمایا کہ ان کی پیٹھ پر کھڑے ہوں اور پرنالہ کو اسی جگہ لگا دیں جہاں آقاء نامدار محبوب خدا ﷺ نے لگایا تھا۔

یہ تھا صحابہ کرام کا ادب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پرنالہ جس جگہ بھی تھا چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کا لگایا ہوا تھا اگر چہ لاعلمی میں ہٹا دیا مگر چونکہ ہٹا دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اپنی پشت پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑا کر کے پرنالہ کو اصلی جگہ پر لگوایا۔ ایک ادب ہمارے نوجوانوں اور بہت سے بوڑھوں کا ادب ہے کہ جس داڑھی کو آپ ﷺ نے خود بھی ہمیشہ رکھا اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ داڑھی بڑھائیں اور مونچھیں کٹوائیں۔ آج اصرار ہے کہ نہ داڑھی کا نام و نشان رکھیں گے نہ مونچھ کا، اس سے بڑی بے ادبی اور گستاخی کیا ہو سکتی ہے؟ بہر حال داڑھی تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سنت ہے، داڑھی اسلامی شعار ہے، داڑھی شرافت و بندگی کی علامت ہے، داڑھی چھوٹے، بڑے میں فرق کرنے والی ہے۔ داڑھی سے صورتِ مردانہ مکمل ہوتی ہے۔ داڑھی منڈانا فعل شیطان خداداد شکل کو بگاڑنا ہے داڑھی منڈانے کو اچھا سمجھنا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے عناد اور مقابلہ ہے۔ (معاذ اللہ)

فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

ولنا ان اللحية في وقتها جمال وفي خلقها تفويته على الكمال .

(٥٧١/٤)

یعنی داڑھی اپنے وقت میں (یعنی جب سے اگتی ہے) خوبصورتی اور زینت کا باعث ہے اور اس کے منڈانے سے زینت و خوبصورتی بالکل نابود ہو جاتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

لان اللحية في اوانها جمال .

یعنی داڑھی اپنے وقت میں خوبصورتی کی چیز ہے، دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے، اللہ تعالی کے ملائکہ کی ایک جماعت کا وظیفہ ہے:

سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب .

پاک ذات ہے وہ جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈیوں سے زینت بخشی۔ (تکملہ بحرالرائق: ۳۳۱/۸)

ایک روایت ہے کہ فرشتے جب قسم کھاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

والذي زين بنى آدم باللحى .

قسم اس ذات کی جس نے انسان کو داڑھی سے زینت بخشی۔

حضور اقدس ﷺ سے سچی محبت ہو تو آپ کی ہر ایک بات اور ہر ایک عادت محبوب ہونی چاہیے۔ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) نفرت، محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔ داڑھی کا منڈانے والا حضور ﷺ کی سنت کو پامال کرنے والا ہے۔ وہ سچا محب کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے:

تعصى الرسول وانت تظهر حبه — هذا لعمري في الفعال بديع

لو كان حبك صادقا لاطعته — إن المحب لمن يحب مطيع

یعنی تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی ان کے فرمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہو کس قدر عجیب بات ہے اگر فی الواقع تمہارے دل میں ان کی محبت ہوتی اور تم اپنے دعوی محبت میں سچے ہوتے تو کبھی ان کی نافرمانی نہ کرتے ان کے ہر فعل اور اداء سے محبت ہوتی۔

مجنوں لیلیٰ کی گلی سے جب گزرتا ہے تو در و دیوار کو چومتا اور کہتا تھا۔

امر على الديار ديار ليلى — اقبل ذا الجدار وذا الجدار

وما حب الديار شغفن قلبي — ولكن حب من سكن الديار

میں لیلیٰ کی گلیوں سے جب گزرتا ہوں تو اس دیوار کو بھی چومتا ہوں اور اس دیوار کو بھی گلی کوچوں کی محبت دل کی لگن نہیں ہے بلکہ اس کی محبت جو ان گلیوں میں رہتی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کا دیدار کیا ہے، اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ تیری گلی میں اس کی رسائی ہوئی ہے۔ اپنے ہاتھ کو ہزار بار چومتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

''مثنوی'' میں ہے کہ ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ تو نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے، سب سے اچھا شہر کونسا ہے؟ عاشق نے جواب دیا جس میں میرا محبوب رہتا ہے:

گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

افسوس ہوتا ہے کہ دعویٰ ہے محبت مولا اور عشق رسول کا اور عمل یہ کہ داڑھی سے معاذ اللہ نفرت؟ محبوب رب العالمین آقاء دو جہاں ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یؤمن احد کم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به . (مشکوٰۃ)

دعویٰ محبت قابل اعتبار نہیں ہے جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ صاحبِ ایمان کی چاہ (خواہش) میری تعلیم کے تابع نہ ہو جائے۔

یعنی دل کی خواہش اور دل کا جذبہ وہی ہے جو آپ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سنت ہے۔

بار بار ارشاد ہوا جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میرا نہیں ہے، جو دوسروں کے طریقے پر چلے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو میرے طریقے سے منہ پھیر لے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے، جس نے میری سنت برباد کی اس پر میری شفاعت حرام ہے۔

سنت سے روگردانی خطرناک ہے:

ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث بیان فرما رہے تھے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یحب الدباء .

''حضور ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے۔''

ایک شاگرد فوراً بول اٹھا مگر میں تو پسند نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تلوار نکال کر کہا توبہ کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔

مدینہ شریف میں ایک صاحبِ نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا

ہندوستان کا دہی یہاں کے دہی سے اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے خواب میں (یا عالم واقع میں) فرمایا کہ ہمارے یہاں سے چلے جاؤ، وہاں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہے۔

امام ربانی فرماتے ہیں کہ تمام سنن خداوند عالم کی پسند فرمودہ ہیں اور جو چیزیں خلاف سنت ہیں وہ شیطان کی پسند کردہ ہیں۔ (مکتوبات: ۱/ ۲۵۵)

آپ سوال کرتے ہیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ برادر اسلام! خواہش کے بندوں کی ملامت اور لعن طعن سے گھبرا کر حق بات کو چھوڑنا ابو طالب کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے ابو طالب کو بوقت مرگ کہا کہ چچا ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو۔ ابو طالب نے جواب میں کہا:

اطھرت دینا قد علمت بانه　　　من خیرا دیان البریة دینا
لو لا الملامة او حذار مسبة　　　لو جدتنی سمحا لذلك مبینا

یعنی آپ ﷺ نے میرے سامنے ایسا دین پیش کیا ہے جس کو میں دنیا کے تمام ادیان سے افضل سمجھتا ہوں اگر مجھے لوگوں کی ملامت اور لعن طعن کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے قبولیت حق میں جواں مرد پاتے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی لعن طعن سے ڈر کر حق بات کو چھوڑ دینا ابو طالب کا طریقہ ہے اور ساری دنیا کی ملامت کی پروا کیے بغیر حق کو پکڑے رکھنا مجاہد اسلام حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سفر میں تھے۔ آپ کے ہاتھ مبارک سے کھاتے کھاتے لقمہ گر گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے۔ عجمی لوگ یہ دیکھ رہے تھے خادم نے چپکے سے کہا۔ حضرت ایسا نہ کیجئے، یہ عجمی گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھا لینا بہت برا جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء .

کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟

یہ ہے ایمان، یہ ہے آپ ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے اور آپ کی تعلیم کے مکمل ترین تعلیم ہونے پر اعتماد! خادم عجمیوں کی تہذیب سے مرعوب ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی تہذیب پر نازاں، ہر اس شخص کو احمق کہتے ہیں جو محبوب خدا ﷺ کو کامل معلم نہ سمجھے اور آپ کی تہذیب کا شیدا نہ ہو۔ آپ داڑھی نہ منڈائیے۔ آپ ان نادانوں کی بات پر عمل کریں

گے تو گناہگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے۔ ہم نے تم کو دین کے ایک خاص طریقہ پر لگا دیا ہے اسی طریقہ پر چلتے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو علم سے نا آشنا ہیں۔ (سورۂ جاثیۃ) (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ : ۲/۳۹۸)

ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے:

ایسے شخص کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے کہ دونوں میں عداوت دور کرنے اور اتفاق و باہمی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور ایک گروہ ظلم و زیادتی پر کمر کس لے تو دوسرے مسلمان خاموش ہو کر تماشہ نہ دیکھیں بلکہ جس کی زیادتی ہو تمام مسلمان متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ ظالم مجبور ہو کر ظلم و زیادتی سے باز آجائے جب یہ باز آجائے تو عدل وانصاف کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ان دونوں میں صلح وصفائی اور میل ملاپ کرا دو۔

(سورۂ حجرات)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تمہیں نجات نہ ملے گی تاوقتیکہ ظالموں کو اپنے ظلم سے باز نہ رکھو اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تم امر بالمعروف کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح مسخ کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

انصر اخاك ظالماً او مظلوماً .

تم اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم سوال کیا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کریں گے مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ (بخاری شریف : ۱/۳۳۱ ، پارہ : ۹)

اس زمانہ میں ظالم، ڈاکو، بدمعاش، چور کو اور دیگر جرائم پیشہ افراد کو کھلے عام جرم کرنے کی جرأت اس لیے بھی ہوتی ہے کہ ظالم کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے، بھرے بازار میں کسی کو قتل کر کے مال لے کر روانہ ہو جاتا ہے، لوگ تماشہ بین بن کر دیکھتے رہتے ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

بوسیدہ اوراق کا حکم:

پراگندہ اوراق یا بوسیدہ قرآن مجید کو دفن یا دریا برد کیا جائے یا کس طرح نیز دیگر اوراق انگریزی اخبارات وغیرہ کی (جن میں بعض مواقع پر آیات اور انگریزی کتب یا اخبارات وغیرہ میں تصاویر بھی ہوتی ہیں) کس طرح تلف کیا جائے؟

قال في العالمگيرية: المصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه ويخاف ان يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه اولى من وضعه موضعا يخاف ان يقع عليه النجاسة اهـ. (٦/٢١٦) وفيه.

المصحف إذا صار خلقا وتعذر القرأة منه لا يحرق بالنار اشار الشيباني الى هذا وبه نأخذ اهـ.

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو تو دفن کر دینا چاہیے جلانا نہیں چاہیے باقی اوراق جن میں قرآن کی آیت یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام ہو اس میں سے آیت، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام نکال لینا چاہیے ان کو دفن کر دیا جائے اور اور باقی کو جلا دینا جائز ہے، مگر قرآن اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اس طرح دفن کیا جائے جس طرح بغلی قبر میں مردہ کو رکھا جاتا ہے تا کہ اس پر مٹی نہ پڑے۔

ويلحد له لانه لو شق ودفن يحتاج إلى اهالة التراب عليه وفي ذالك نوع تحقير الا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب عليه فهو حسن ايضاً كذا في الغرائب اهـ. عالمگيرية

(ماخوذ از امداد الاحکام: ٤/٣٩٤)

کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم:

کفار سے معاملات بیع و شراء اجارہ وغیرہ جائز اور بضرورت ظاہری میل جول میں بھی مضائقہ نہیں، باقی بلاضرورت میل جول کرنا جائز نہیں اور رابطہ محبت و دوستی بھی جائز نہیں باقی معاملات ہر حال میں جائز ہیں۔

ہندوؤں کے تیار کردہ کھانے کا حکم:

ہندوؤں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی، اسی طرح مٹھائی اور گھی وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے لیکن گوشت کھانا جائز نہیں، کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

ہندوؤں کی نیز دوسرے کفار کی دعوت قبول کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ کھانے کے اندر کوئی حرام چیز شامل نہ ہو اور نہ کھانے کی مجلس ناچ گانا وغیرہ کی ہو۔

كذا في الدرالمختار والشامي من الحظر والاباحة

پھر بھی بہتر یہی ہے کہ شرکت سے احتراز کرے، کفار ومشرکین کے ساتھ کھانے کے متعلق فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کہیں اتفاق سے گھر جائے اور ضرورت سمجھے تو مضائقہ نہیں مگر بلاضرورت شریک ہونا یا عادت ڈال لینا جائز نہیں۔

لما في العالمگيرية : إن ابتلى المسلم مرة او مرتين فلا بأس به، واما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط . هندية كتاب الكراهية .

(إمداد المفتين : صـ ١٠١٥)

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ مسلمان ایک آدھ مرتبہ کفار کی دعوت میں شرکت پر مجبور ہو جائے اور مجبوراً شرکت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ہمیشہ اس کی عادت ڈالنا مکروہ ہے۔

کافر کی عیادت وتعزیت:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے لیکن کافر کے جنازے کے ساتھ اس کے مرگھٹ تک جانا جائز نہیں کیونکہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ مستحق تعظیم نہیں۔

نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کافر شفاعت کا اہل نہیں۔

قال في العالمگيرية : الباب الرابع عشر من الكراهية ولا باس بعيادة اليهودي والنصراني وفي المجوسي اختلاف كذا في التهذيب ويجوز عيادة الذمي كذا في التبيين الى قوله وإذا مات الكافر قال لولده او قريبة في تعزيته اخلف الله عليك خيراً منه واصلحك اي اصلحك بالاسلام الخ . (عالمگيري كشوري : ٤/ ٢٢٨)

وصرح باهانة جيفة الكافر في جنائز الشامي والدر المختار

حيث قال فيغسله غسل الثوب النجس وايضا قيده بالاحتياج اي إذ لم يكن له قريب غيره من اهل ملته ثم قال فلو له قريب فالأولى تركه لهم. (شامی: ۱/۵۹۷)

قادیانی کی تجہیز و تکفین اور اس کے نکاح میں شرکت:

اس سلسلہ میں ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ۱۔ کسی قادیانی کی تجہیز و تکفین میں دیدہ دانستہ حصہ لینے والے مسلمان کے حق میں کیا حکم ہے؟

۲۔ قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا اور امداد کرنا کیسا ہے؟

۳۔ دعوت قادیانی کی مسلمان کے لیے کیسی ہے؟

٤۔ علماء دین کے فتویٰ کو غلط بتانے والے اور توہین کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

۵۔ عزیز و اقارب دوست آشنا نیز برادری کے بھائی اور مسلمانانِ قصبہ قادیانیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں تاکہ وہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں؟

٦۔ قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

جواب: ۱۔ مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں جمہور علماء اسلام کے اتفاق سے کافر و مرتد ہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اور جو کوئی مسلمان شریک ہو وہ گناہ گار ہے توبہ کرنی چاہیے۔

۲۔ یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کو اپنی گمراہی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین O ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار ﴾

۳۔ ہرگز نہ کھانی چاہیے بالخصوص ذبیحہ ان کا بالکل مردار ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔

٤۔ ایسا شخص سخت گناہگار ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے توبہ کرنی چاہیے۔

صرح به في كلمات الكفر من جامع الفصولين والبحر.

٥۔ مسلمانوں کو قادیانیوں سے کسی قسم کا تعلق شرکت شادی وغمی وغیرہ کا ہرگز نہ رکھنا چاہیے اگر چہ رشتہ داری وقرابت بھی ہو۔ رشتہ اسلام کے قطع کرنے والے کے ساتھ رشتہ قرابت کوئی چیز نہیں۔

٦۔ قادیانی مرد یا عورت کا کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ مرتد ہیں اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہوسکتا۔

قال في الدر المختار: ولا يصلح ان ينكح مرتدا ومرتدة احدا من الناس مطلقاً. (ماخوذ إمداد المفتين: صـ ١٣٣)

قادیانیوں سے اختلاط:

مرزائیوں کے دونوں فریق قادیانی ولاہوری بالیقین مرتد خارج عن الاسلام ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو مرتد کا کیا حکم ہے؟ مرتدین کے ساتھ اختلاط وبرتاؤ کرنا عوام کو ان کی باتیں سننا، جلسوں میں شریک ہونا، ان سے مناکحت کرنا ان کی شادی وغمی میں شریک ہونا ان کے ساتھ کھانا پینا، تجارتی تعلقات قائم رکھنا، ان کو ملازم رکھنا یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟ تو ان کا حکم یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا کافر مرتد ہونا اور اس کے اقوال وکلمات غیر محصورہ کا غیر محتمل التاویل ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے اور اسی لیے جمہور علمائے امت ان کی تکفیر پر متفق ہیں اس کی مفصل تحقیق کرنا ہو تو مستقل رسائل مثل اشد العذاب مصنفہ مولانا مرتضٰی حسن صاحب اور القول الصحيح في مكائد المسيح مصنفہ مولانا محمد سہول صاحب اور مطبوعہ فتاوی علمائے ہند در بارہ تکفیر قادیانی جس میں ہر ضلع وصوبہ کے علماء کے سینکڑوں دستخط وتصدیق ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں جائیں۔

پھر مرزائیوں کے دونوں فرقے قادیانی اور لاہوری اتنی بات پر متفق ہیں کہ وہ اعلی درجہ کا مسلمان بلکہ مجدد ومحدث اور مسیح موعود تھا اور ظاہر ہے کہ کسی کافر مرتد کے متعلق بعد اس کے عقائد معلوم ہو جانے کے ایسا عقیدہ رکھنا خود کفر ارتداد ہے۔ اسلیے بلا شبہ دونوں فرقے کافر ومرتد ہیں اور اب تو لاہوریوں نے جو تحریف قرآن اور انکار ضروریات دین کا خاص طور پر بیڑا اٹھایا ہے اس کے سبب اب وہ اپنے کفر وارتداد میں مرزا صاحب کے تابع ہونے سے مستغنی ہو کر خود بالذات ارتداد کے علمبردار ہیں اس لیے دونوں فرقوں سے عام مسلمانوں کا اختلاط اور ان کی باتیں سننا،

جلسوں میں شریک ہونا یا ان کو جلسے میں شریک کرنا، شادی وغمی اور کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا سخت گناہ ہے اور مناکحت قطعاً حرام ہے اور جو نکاح پڑھ بھی دیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر انعقادِ نکاح کے بعد مرزائی ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے البتہ تجارتی تعلقات اور ملازمت میں رہنا یا ملازم رکھنا بعض صورتوں میں جائز ہے۔ بعض میں وہ بھی ناجائز ہے اس لیے بلا ضرورتِ شدیدہ اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (ماخوذ از امداد المفتین : صـ ١٠٢٤)

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہِ تحریمی ہے:

قبلہ کی طرف پیشاب، پاخانہ کرنا، پیر کرنا یا تھوکنا مکروہِ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے:

ویکره تحریما استقبال القبلة بالفرج و کذا استد بارها في الاصح الی ان قال کما کره مدر جلیه في نوم أو غیره الیها ۔ اي عمدا لانه اساء ة الادب الخ .

البتہ قبلہ کی طرف پشت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (امداد المفتین : صـ ١٣٥)

چھپکلی کو مارنا ثواب ہے:

چھپکلی اور گرگٹ دونوں کا مارنا باعث اجر وثواب ہے، حدیث میں ''وزغ'' کا لفظ ہے جو دونوں کو شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے مارنے پر اجر وثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار کر اس کو تیز کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے میں تعاون کر رہی تھی۔

عن ام شریك رضي الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امر بقتل الوزغ وقال وکان ینفخ علی ابراهیم علیه السلام .

(بخاري : ١/٤٧٤)

ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ، چھپکلی قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ تیز کرنے کے لیے پھونک مار رہا تھا۔

وعن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلی الله علیه وسلم من قتل وزغا في اول ضربة کتبت له مائة حسنة وفي الثانیة دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك . (مسلم : ٢/٢٣٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے چھپکلی کو ایک مرتبہ میں قتل کر دیا اس کو سونیکیاں ملیں گی اور جس نے دومرتبہ میں مارا اس کو بھی ثواب ملے گا اور جس نے تین مرتبہ میں قتل کیا اس کو بھی ثواب ملے گا۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل وزغة بالضربة الاولى كان له كذا و كذا حسنة فإن قتلها في الضربة الثالثة كان له كذا كذا احسنة وفي الباب عن ابن مسعود و ام شريك و حديث ابي هريرة حديث حسن صحيح .

(ترمذي : ١/ ٢٧٣)

قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ : وقال كعب وقتادة والزهري ولم تبق يومئذ دابة الا اطفأت عنه الا الوزغ فإنها كانت تنفخ عليه فلذلك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلها عليه فلذلك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلها و سماها فويسقه .

(الجامع للاحكام القرآن : ١١/ ٣٠٤ ، ماخوذ از احسن الفتاوىٰ : ٨/ ١٨٧ مع اضافه)

غسل خانہ میں پیشاب کرنا:

غسل خانہ میں پیشاب کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فرش پختہ ہو اور پیشاب کر کے اس پر پانی بہا دیا جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ فی نفسہ اس طرح پیشاب کرنا جائز تو ہے مگر احتراز بہتر ہے کیونکہ اس سے وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبولن احدكم في مستحمه ثم يغتسل أو يتوضاء فيه فإن العامة الوساوس منه .

(ماخوذ از احسن الفتاوىٰ مع اضافه)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی غسل خانے میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل یا وضوء کرے کیونکہ عام طور پر اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔

انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو حاملہ کروانے کا حکم:

مصنوعی طریقہ سے انجکشن وغیرہ کے ذریعے گائے، بھینس وغیرہ کو حاملہ کرنے میں شرعاً کوئی

قباحت نہیں، یہ عمل شرعاً جائز ہے اور ایسے جانور کا دودھ اور گوشت بلاشبہ حلال ہے۔

رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت:

لڑکی والوں کی طرف سے جو دعوت نکاح کے موقع پر کی جاتی ہے، اگر اس کو سنت سمجھ کر کیا جائے تو ناجائز اور بدعت ہے اور واجب الترک ہے اور ایسی دعوت میں شرکت کرنا بھی درست نہیں، اگر سنت تو نہ سمجھی جائے لیکن دعوت کرنے کو ضروری اور لازمی سمجھا جائے تب بھی یہ دعوت ممنوع اور قابل ترک ہے۔

البتہ لڑکی والوں کے ہاں ان کے جو مہمان قریب ترین اعزاء اقرباء اور خصوصی احباب جمع ہوں ان کے لیے کھانا تیار کرانا اور کھلانا درست ہے کیونکہ یہ مہمان نوازی میں داخل ہے۔

(ماخذ از رجسٹر نقل فتاوی دار الافتاء دار العلوم کراچی الف ۱۱۷/۳۸)

ولیمہ کا مسنون وقت:

دعوتِ ولیمہ کے مسنون وقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

۱. عقدِ نکاح کے وقت
۲. عقد نکاح کے بعد
۳. زفاف کے بعد
٤. نکاح سے لے کر زفاف تک

البتہ جمہور کا قول زفاف کے بعد کرنے کا ہے۔

(راجع نیل الاوطار: ۲/۲۵۰، تاج ۲/۲۷۹)

رسم نیوتہ کا حکم:

کسی تقریب میں صاحبِ تقریب کو بطورِ ہبہ یا تحفہ کے کوئی رقم یا کوئی اور چیز دی جائے جس میں نہ تو ریا ہو اور نہ صلہ اور بدلہ لینے کی نیت ہو تو اس قسم کی امداد کرنا جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن آج کل شادی بیاہ کی تقریبات میں شادی کے موقع پر جو کچھ دیا جاتا ہے اس کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے اور اہتمام کے ساتھ تحفہ یا رقم دینے والے کا نام وغیرہ لکھا جاتا ہے اور واپس کرتے وقت اس دی ہوئی رقم سے زیادہ دیا جاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ دینے کو ضروری اور لازمی سمجھا جاتا ہے (اگرچہ اس تحفہ یا رقم کے واپس کرنے کا معاہدہ نہیں ہوتا) یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

اس مروجہ لین دین کو ہبہ یا تحفہ تو نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ قرض ہے کیونکہ جب اس امداد اور تحفہ

کے نام سے دینے والے کی باری آتی ہے تو اس کی امداد بھی وہی لوگ کرتے ہیں جن کی امداد پہلے یہ کر چکا ہے بلکہ اس کو ضروری اور اس سے زیادہ دینے کو لازمی سمجھا جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ قرض ہے پھر جب یہ قرض ادا ہوگا تو اپنے ساتھ ادھر سے مزید رقم کھینچ کر لائے گا اس طرح یہ قرض ایک طرح کا نفع لانے والا بن گیا اور یہ سود کی ایک صورت ہے کیونکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں قرآن کریم کی اس آیت ﴿ وما اتيتم من ربا ليربوا في اموال الناس ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے اس کو سود کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

(معارف القرآن : ٧٣٨/٦) (روح المعانی : ٤٥/١)

اس مذکورہ بالا تفصیل اور مفسرین کے اقوال فقہاء کرام کی عبارات احادیث و آثار کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ یہ لین دین قرض ہے اس پر ملنے والی زیادتی سود کی ایک صورت ہے لہٰذا یہ رسم ناجائز اور حرام ہے۔

تمام لوگوں کو اس رسم سے بچنا واجب ہے اگر کسی کے ذمہ اس کی رقم باقی ہو تو ان پر ضروری ہے کہ وہ فوراً اس رقم کو ادا کریں اور اگر خود کسی سے لینی ہے تو اگر وصول کرنا چاہے تو وصول کر لیں ورنہ معاف کر دے آئندہ اس سے اجتناب کرے۔

التفاخر بالانساب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی ایک تحریر پیش خدمت ہے:

زخاک آفریدت خداوند پاک تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا عرب جاہلیت میں رہا جس کو اسلام نے آ کر مٹایا۔ پھر قرونِ مابعد میں مسلمانوں میں دوبارہ یہ بلا پیدا ہوگئی۔ لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو اعتقاداً سب ہی برا جانتے ہیں، خواہ غفلت کی وجہ سے مبتلا ہو جائیں اس لیے اس بحث میں زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، چند احادیث اور اقوالِ سلف کو بطورِ تذکیر و نصیحت ذکر کر دینا کافی ہے۔

ارشادِ نبوی:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تم سے عیوبِ جاہلیت اور غرور وتکبر کو دور فرمایا۔

(اب) انسان کی (صرف) دو قسمیں ہیں، ایک نیک متقی اور وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے اور دوسرا فاسق وفاجر اور وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

(الغرض مدار عزت وذلت اللہ کے نزدیک تقویٰ وعمل صالح ہے، انساب وقبائل نہیں) سب آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يايها الناس إنا خلقناكم من ذكر وانثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم ﴾

یہ حدیث ترمذی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے۔ (از تفسیر روح المعانی: ۱۴۸/۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے درمیان ایک خطبہ دیا جس کے بعض کلمات یہ تھے:

اے لوگو! تمہارا مالک پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر مگر تقویٰ کے ساتھ۔

﴿ إن أكرمكم عند الله أتقاكم ﴾

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچا دیا یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا بیشک، آپ نے فرمایا کہ تو حاضرین یہ نصائح غائبین تک پہنچادیں۔

(بيهقى، ابن مردويه از روح: ۱۴۸/۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے، ہر قوم کو چاہیے کہ اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے سے باز آجائے ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔ (رواہ البزار فی مسندہ روح: ۱۴۹)

فخر بالانساب پر آنحضرت ﷺ کی تنبیہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قابل تقلید عمل:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں گفتگو تیز ہوگئی اور ان کی زبان سے نکل گیا ''یا ابن السوداء'' آنحضرت ﷺ نے سن لیا تو فرمایا:

یا ابا ذر طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل .

اے ابوذر! تم سب ایک ہی پیمانہ کے ناپے ہوئے (برابر سرابر) ہو، یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہو کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی کہاں تاب لا سکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرورِ عالم ﷺ کے خلافِ مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبانِ مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے اور اس شخص سے جس کے متعلق ناسزا الفاظ نکل گئے تھے، عرض کیا کہ کھڑے ہو کر میرے چہرے پر پیر رکھو۔ یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی ہے۔(احیاء العلوم: ۳/۲۰۳)

حسب ونسب پر فخر وغرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث، تفسیر اور اخلاق و دیگر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائل کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور بلا شبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لیے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ بے جان میں خمیرہ مروارید اور عقدِ جواہرات کے بے سود اور بے کار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں اسی طرح اس جگہ بد اعمالی اور بد اخلاقی کے ساتھ شرافتِ نسب کے بیکار و بے فائدہ ہونے سے بھی شرافتِ نسب کا مطلقاً غیر مفید و بیکار ہونا لازم نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافتِ نسب ایک نعمتِ الٰہیہ ہے مگر اس کے مفید ہونے کے لیے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا فی الجملہ درست ہونا شرط ہے۔

اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ شرافتِ نسب کی نعمت عطا فرمائے اس کو تو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاحِ اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضاء اور شکر یہی ہے۔ دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ

ہیں کم از کم ' نسبت کی لاج رکھنے کے لیے بدنامی کے مواقع سے بچیں۔

الانتساب الی غیر الانساب:

معاملۂ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے اور اپنا نسب انصار سے جا ملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہو جائے کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔

اور منشاء اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہٖ بھی گناہِ کبیرہ ہے اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کے ترجمے ذیل میں درج ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من ادعی الی غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام.

(رواہ البخاری؛ ومسلم وابو داؤد وابن ماجه ترغیب و ترهیب: ۵۷/۳)

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ ہے جس میں چند احکام مذکور ہیں جس کو کھول کر سنایا اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا:

من ادعی الی غیر ابیه او انتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملائکة و الناس اجمعین لا یقبل الله منه یوم القیامة عدلا و لا

صرفا .

(رواه البخاري ومسلم وابو داؤد وابن ماجه ترغيب وترهيب : ۳/۸۸)

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلہ کے سوا اور قبیلہ کی طرف نسبت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اور اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد میں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد وابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انسان کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری کرے اگر چہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں، اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے **روایت** کیا ہے۔ (از ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ از ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

من ادعى نسبا لا يعرف كفر بالله او انتفى من نسب وان دق كفر بالله . (رواه الطبراني الاوسط ترغيب : ۳/۸۹)

جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لیے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے تبری کی اگر چہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

احادیثِ مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرات کرے گا؟

ایں ہمہ با کردن ودین پیمبر داشتن   ہرگز باور نمی آید ز روئے اعتقاد

بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ:

کہا جاتا ہے کہ کپڑا بننے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولاہا ہے یہ نام مستنکر ومکروہ ہے

کیونکہ یہ لفظ دراصل سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی ظالم کے ہیں اور برے ناموں کے رکھنے سے آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے ہم اپنے کو بجائے جولاہا کے انصاری کہتے ہیں اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا۔ الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولاہا کے معنی اردو میں مستنکر ومکروہ ہیں کیونکہ اصل لفظ چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا اور معنی ظالم کے ہوں یا کچھ اور لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولاہا کہتے ہیں اور ناموں کے مکروہ ومستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہیے جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو۔ اس لیے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں خواہ سنسکرت میں اس کے معنی کتنے ہی قبیح ہوں۔ علاوہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نور باف یا بافندہ وغیرہ رکھ لیتے۔ لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں شہرت پا چکا ہے اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے۔

اور احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو بلکہ محض پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں۔

جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں تو شرعاً اس معنی سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ منشاء ان نسبتوں کے تقرر اور القاب کے اور ردوبدل کا وہی ایک مرض لاعلاج محض تکبر وتعلی ہے جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ یقینیہ کو قربان کرے وہ مسکین قابل رحم ہے، اس کی عقل ودانش پر تعزیت کرنی چاہیے کہ کس متاع گراں مایہ کو اس قدر سستا دے دیا۔

میں تو میخانہ میں گاہک نہ ہوا عزت کا　　　دین کے بدلہ میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں۔

عزیزے کہ از درگہش سربتافت بہرور کہ شد ہیچ عزت نیافت

اور اگر خداوند عالم ذرا چشم بصیرت عطا فرمائیں تو انسان کی نظر ایک ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے جہاں یہ بات روزِ روشن کی طرح مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ دنیا اور اسکی عزت وذلت سب خواب وخیال ہیں، عاقل کا کام نہیں کہ اس کے حصول پر فخر یا عدم حصول پر افسوس کرے۔

زمین شدیم چہ شد، آسماں شدیم چہ شد بچشم خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد

ہیچ رنگ دریں گلستان قرارے نیست تو گر بہار شدی ماخزاں شدیم چہ شد

اور یہ بات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ "سہاگن وہی جسے پیا چاہے" عزت وہی عزت ہے جو دربارِ الٰہی میں سرخرو کرے اور اس کے سوا ہر عزت ذلت ورسوائی کی مرادف اور متاع غرور ہے۔

ایارب ذل ساق للنفس عزة وایارب نفس بالتذلل عزة

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے:

گویہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ لذت اس میں ہے کہ ملجائے ترے دل میں جگہ

﴿ ایبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا ﴾

کیا وہ لوگوں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بے شک عزت تو تمام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

حقیقی عزت وذلت نسب کے تابع نہیں:

اور اگر کسی شخص کو یہی مقصود ہو کہ دوسروں پر فضیلت وفوقیت حاصل کرے تو اس کی بھی یہ صورت نہیں کہ اپنا اصلی نسب چھوڑ کر دوسرے انساب کے سلسلہ میں اپنے آپ کو داخل کرتا پھرے اور اس کی کوشش میں رہے کہ بعید قرائن کا سہارا لے کر کسی اونچے نسب نامہ میں اپنا نام درج کر دے جیسے آج کل بہت سے لوگوں کو یہ ابتلا پیش آیا ہے۔

ایسے ہی لایعنی حیلے اور قرینے جمع کر کے کوئی انصاری بنتا ہے کوئی قریشی اور کوئی راعی بلکہ عزت وتفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق اور اعمالِ فاضلہ ہیں ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اگر آج دنیا میں تشریف لے آئیں تو اس گئی گزری حالت اور بے پردائی کے زمانہ میں بھی یقین ہے کہ بڑے بڑے عزت کی لمبی ناک رکھنے والے اونچے

اونچے نسب کے لوگ ان کے پیر دھونے کو اپنا فخر سمجھیں گے، یہی وہ عزت ہے کہ جس نے بڑے بڑے بادشاہوں کو ادنیٰ ادنیٰ نسب کے لوگوں کے آگے جھکا دیا۔ اور یہی وہ دولت ہے جس کے لیے ہارون رشید اور ان کے دونوں صاحبزادے امین اور مامون کاسہ گدائی لے کر حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے دروازے پر آتے تھے۔ اور یہی وہ تاجِ سلطنت ہے کہ جس کے نہ ہونے نے دنیا کے بہت سے نامور بادشاہوں کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی دلوایا۔

(ماخوذ از جواہر الفقہ: ۲/۱۰۱)

لے پالک کا حکم:

بعض لوگ قضاء الٰہی سے اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں اب وہ اولاد کے شوق میں کسی دوسرے کے بچے گود لیتے ہیں اس میں شرعی لحاظ سے کئی خرابیاں سامنے آتی ہیں مثلاً ایک اہم مسئلہ اس کے نسب بیان کرنے کا ہے تعلیم کے سلسلہ میں مختلف سرکاری محکموں میں اصل باپ کی بجائے گود لینے والے کا نام لکھوایا جاتا ہے حالانکہ غیر باپ کی طرف نسبت کا بڑا گناہ ہونا او پر مذکور ہو چکا ہے، نیز ممالک کے سفر کی ضرورت پیش آئے تو پاسپورٹ سمیت بہت سی جگہوں میں جھوٹی نسبت لکھوائی جاتی ہے۔

شادی کے موقع پر باپ کے بجائے گود لینے والے کا نام لکھ کر جھوٹی نسبت کی جاتی ہے۔

ثانیاً، اگر وہ لڑکی گود لینے والے کے لیے اجنبی ہو تو نو سال کے بعد اس سے اور اس کے دیگر رشتہ داروں سے پردہ کرنا فرض ہو جائے گا اور اس پر عمل بہت مشکل سے ہو پائے گا۔

اور اگر لڑکا ہو اور اس کی بیوی کا غیر محرم ہو گا تو بلوغ کے ساتھ اس کی بیوی سے پردہ فرض ہو جائے گا، اس پر عمل بھی مشکل ہو گا۔

تو گود لینے کا عمل اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن ان خرابیوں کے پیش نظر احتیاط بہر حال اولیٰ ہے اگر کسی نے گود لیا تو ان خرابیوں سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

خضاب کا حکم:

سیاہ رنگ کے سوا دوسرے رنگوں کا خضاب علماء مجتہدین کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے اور سرخ خضاب خالص حناء کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے مسنون ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ سے جمہور محدثین کے نزدیک ایسا خضاب استعمال کرنا ثابت ہے، صحیح بخاری میں عثمان

بن عبداللہ ابن موہب سے مروی ہے کہ ہم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک نکالا۔ دیکھا تو وہ حناء کتم سے خضاب کیا ہوا تھا۔

(زاد المعاد: ۲/۱۲۶)

اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن أحسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم.

(رواه السنن الاربعه)

بہترین رنگ جن سے سفید بالوں کی سفیدی تبدیل کی جائے مہندی اور وسمہ ہیں۔

سیاہ خضاب کا حکم:

سوال: سیاہ خضاب کا کیا حکم ہے؟

جواب: سیاہ خضاب کا استعمال خواہ داڑھی میں ہو خواہ سر میں حرام ہے چنانچہ صحیح احادیث میں سفید بالوں کے تبدیل کے لیے حناء (مہندی) اور کتم (وسمہ) استعمال کرنے کی ترغیب اور خالص سیاہ رنگ استعمال کرنے پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ: جنابِ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے یہ جنت سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔

(ابو داؤد، نسائی، احمد)

وعن ابی الدرداء رضي الله عنه مرفوعاً من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة.

جو سیاہ خضاب استعمال کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا چہرہ سیاہ کردیں گے۔

عن جابر رضي الله عنه قال اتى بابى قحافة رضي الله عنه يوم فتح مكة وراسه كالثغامه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد. (مسلم، ابو داود، نسائی، احمد)

یعنی فتح مکہ کے روز حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ گھاس کی طرح سفید تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کی سفیدی کسی

چیز سے تبدیل کردو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب برتو۔

یستحب للرجل خضاب شعره ولحیه الی ...... قوله ویکره بالسواد . (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار : ٦/٤٢٢)

(یعنی مرد کے لیے سر اور داڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی ہے)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سر اور داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا از روئے شرع حرام ہے۔ کیونکہ کلیاً وجزیاً اس پر وعید آئی ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟

جواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیه : ٦/٢٩)

جدید ہیئر کلر کا حکم:

آج کل ہیئر کلر کے نام سے جو مہندی کا رنگ آرہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو ہیئر کلر بالوں کو خالص سیاہ کردیں نہ صرف مکروہ تحریمی ہے بلکہ بروئے حدیث باعث لعنت اور جنت سے محرومی کا سبب بھی ہے۔ البتہ جو ہیئر کلر بالوں کو خالص سیاہ نہیں کرتے بلکہ سیاہی مائل بسرخ کرتے ہیں ان کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

واضح رہے کہ یہ اس ہیئر کلر کا حکم جن میں حرام اشیاء نہ ہوں اگر حرام اشیاء ہوں تو ان کا استعمال مطلق حرام ہے خواہ بالوں کو خالص سیاہ کریں یا نہ کریں۔

(ماخوذ از خضاب کا شرعی حکم ، فتویٰ دارالافتاء بنوری ٹاؤن)

مجاہدین کے لیے سیاہ خضاب کا حکم:

سوال: مجاہد کے بال سفید ہو گئے ہوں تو جہاد میں جاتے وقت دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے سیاہ خضاب استعمال کر سکتے ہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق محمود و مستحسن ہے۔

قال في الذخيرة: اما الخضاب بالسواد للغزو ليكون اهيب في عين العدو . فهو محمود بالاتفاق . وإن يزين نفسه للنساء مكروه وعليه عامة المشايخ . (فتاوىٰ شامی : ٦/٤٢٢)

وغير واهذا الشيب واجتنبوا السواد قال الحموي هذا في حق غير الغزاة ولا يحرم في حقهم للارهاب . (فتاوىٰ شامي : ٦/٧٤٦)

مروجہ حیلہ اسقاط:

مروجہ حیلہ اسقاط کے متعلق ایک مفصل سوال وجواب لکھا ہوا نقل کیا جاتا ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ دین مبین اس مسئلے کے بارے میں:

ہمارے علاقہ میں زمانہ قدیم سے رائج ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کو تدفین کے لیے قبرستان لے جاتے ہیں تو نمازِ جنازہ کے بعد دو تین سو افراد کا ایک بڑا دائرہ بنایا جاتا ہے اور اس بڑے دائرے کے اندر ایک چھوٹا دائرہ بھی بنایا جاتا ہے جس میں ایک عالم ہوتا ہے۔ یہ عالم وارثِ میت سے چادر میں لپٹی ہوئی رقم جس پر ایک قرآنِ کریم بھی رکھا ہوتا ہے وصول کر کے پہلے چھوٹے دائرے میں اس کے بعد پھر بڑے دائرے میں ایک بار گھما کر حیلہ اسقاط کرتا ہے۔ ہر شخص ''قبلت ووہبت لک'' کہتا ہے جب کہ اکثر لوگ اس کے معنی ومفہوم سے واقف ہی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد میت کے بعض ورثاء اور متعلقین اکٹھے ہو کر رقم کی مقدار متعین کرتے ہیں اور متعینہ رقم ہر شخص کو دی جاتی ہے جس کے بعد سب واپس جاتے ہیں۔

اس مروجہ حیلہ اسقاط سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، خواہ مرنے والا شیر خوار بچہ ہو یا نہایت مفلوک الحال کوئی غریب ہو، خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ہر حال میں لازم تصور کیا جاتا ہے۔ اگر میت نے ترکہ میں کچھ بھی نہ چھوڑا ہو تو اس کے ورثہ قرض لے کر اس کا اسقاط کرتے ہیں اور اگر میت کے ورثہ بالغ نہ ہو تو نابالغ ورثہ سے یہ رقم وصول کی جاتی ہے۔

اشہرالحج میں بعض اوقات اتنی رقم گھماتے ہیں کہ آدمی پر حج فرض ہو جاتا ہے، کیا ہبہ کرنے سے فریضۂ حج ساقط ہو جاتا ہے؟ نیز ہبہ بھی رواجی ہے حد درجہ محتاج شخص پر بھی ہبہ کرنا لازم ہے۔

مندرجہ بالا طریقہ کار اعمالِ تدفین کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے ترک کرنے والا پر لعن طعن کی جاتی ہے اس لیے بعض لوگ اس کو چھوڑنے میں شرم وعار محسوس کرتے ہیں۔

لہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس کے بارے میں حکم شرعی صادر فرمائیں کہ آیا اس قسم کا عمل جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس عمل کا مرتکب گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر میت سے فرائض فوت نہ ہوئے ہوں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے کیا واقعی یہ صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔ بینوا توجروا

جواب: یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتي و رضیت لکم الإسلام دینا ﴾

﴿ لقد کان لکم في رسول اللّٰہ أسوۃ حسنۃ ﴾

جو فعل رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ نے دین کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ ہم آپ ﷺ سے دین کے مسائل کو زیادہ سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت ﴿ الیوم اکملت لکم دینکم ...... ﴾ بھی غلط ہے، غرضیکہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔

قال النبي صلی اللّٰہ علیہ و سلم: " کل بدعۃ ضلالۃ ."

علاوہ ازیں حیلہ اسقاط کا جو مروج طریقہ ہے، یہ کئی مفاسد پر مشتمل ہے، اولاً اس میں تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی، ثانیاً اس سے فسادِ عقیدہ لازم آتا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور نماز روزہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اسے بھی کفن دفن کے اعمال میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے، جبکہ التزام کرنے سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ کما صرح بہ فی الشامیہ وغیرہا۔ رابعاً تہائی مال سے فدیہ ادا نہیں کیا جاتا حالانکہ ترکہ کے تہائی حصہ تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے اور تہائی مال سے فدیہ ادا کرنے کے بعد بھی فدیہ باقی رہ جائے تو اس حالت میں بعض فقہاء نے حیلہ کی اجازت دی تھی مگر فی زمانا فسادِ عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

نیز مروجہ حیلہ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں نابالغ اور یتامیٰ کا مال بھی دیا جاتا ہے جبکہ نابالغ کا مال اس کی اجازت سے بھی کسی کو دینا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مروجہ حیلہ اسقاط مذکورہ بالا

مفاسد کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔

چند رسوم باطلہ اور بدعات مروجہ کا بیان:

١۔ میت کے سر پر عمامہ باندھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ : ٤/٢١٦)

٢۔ میت کے منہ دکھائی کی رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔ (احسن الفتاویٰ : ٤/٢٢٩)

٣۔ دفن کے بعد فی نفسہ دعا کا ثبوت ہے، البتہ التزاماً تین دفعہ دعا مانگنا اور اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ : ٤/٢٣٤)

٤۔ مروجہ حیلہ اسقاط ناجائز اور بدعت ہے، قرآن و حدیث وفقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرونِ مشہور لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

(احسن الفتاویٰ : ١/٣٤٩)

٥۔ میت کے گھر دعوت کا التزام ناجائز اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ : ١/٣٥٥)

٦۔ تعزیت کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ : ٤/٢٤٥)

٧۔ اپنے طور پر صدقاتِ نافلہ یا تلاوت و تسبیح و تہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے، البتہ ایصالِ ثواب کے لیے اجتماع کا اہتمام دنوں کی تعیین کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ : ٤/٣٦٢)

٨۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہے۔

(احسن الفتاویٰ : ٧/٢٩٢)

٩۔ تعزیت کے لیے مستقل اجتماع کا اہتمام کرنا درست نہیں ہر ایک اپنے طور پر آئے اور اتفاقیہ طور پر اکٹھے ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (احسن الفتاویٰ)

١٠۔ مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ (ماخوذ از کتب فقہ)

١١۔ جمعہ اور عیدین کے موقع پر کسی مخصوص رسم کو ادا کر کے غم تازہ کرنا جائز نہیں۔

۱۲۔ قبروں پر ہری شاخ گاڑنا فی نفسہ اس کا ثبوت تو ہے لیکن لوگوں نے اس کو لازم سمجھ لیا ہے اس لیے یہ عمل بدعت ہے۔ (احسن الفتاوی : ۱/ ۳۷٤)

۱۳۔ قبر کو ایک بالشت تک اونچا بنانا مستحب ہے اور اس پر کوئی عمارت کھڑی کرنا منع ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ (رد المحتار : ۲/ ۲۳۷)

۱٤۔ قبر پر جھنڈیاں لگانا، قبر پر چادر ڈالنا یہ رسم بدعت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(احسن الفتاوی : ۱/ ۳۷٤)

۱۵۔ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ : صـ ۷۱ باب المساجد)

۱٦۔ قبر کو اینٹ اور چونہ لگا کر مضبوط کرنا جائز نہیں البتہ گارے سے لیپنا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ (احسن الفتاوی : ٤/ ۱۹۷)

۱۷۔ قبر کو بوسہ دینا بنیتِ عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلا نیتِ عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ (احسن الفتاوی : ۱/ ۳٦)

۱۸۔ قبر پر علامت کے طور پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے البتہ کتبہ قبر کے سرہانے سے کچھ ہٹا کر لگایا جائے۔ (احسن الفتاوی : ٤/ ۲۰۹)

۱۹۔ قبر کے سرہانے آیتِ قرآنیہ لکھنے میں بے ادبی ہے اس لیے جائز نہیں۔

(احسن الفتاوی : ٤/ ۲٤۱)

۲۰۔ اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف ناجائز اور حرام ہے مخصوص تاریخوں میں یا مطلقاً کسی بھی وقت کیا جائے ہر صورت میں ناجائز اور حرام ہے۔

(فتاوی حقانیہ : ۲/ ۷۷ بحوالہ ارشاد الساری : ۳٤۲)

۲۱۔ دوسری جگہ کی مٹی لا کر قبر میں ڈالنا چونکہ اس کا ثبوت نہیں ہے اس لیے بدعت ہے۔

۲۲۔ قبر پر حاضری دے کر ہو یا دور رہ کر غیر اللہ سے مدد مانگنا بہر حال ناجائز اور حرام ہے ایک مشرکانہ فعل ہے اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

(فتاوی رحیمیہ جدید : ۱/ ٤۵)

۲۳۔ قبر کے پتھر جسم پر ملنا فسادِ عقیدہ کی دلیل ہے اس لیے ناجائز ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

۲٤۔ بیمار کو قبر پر لے جانا یہ بھی فسادِ عقیدہ کی دلیل ہے، قبر کوئی طبیب یا ڈاکٹر تو نہیں کہ اس کے لیے دوا تجویز کرے اس لیے یہ عمل ناجائز اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

۲٥۔ درگاہوں کا نمک کھانا عموماً لوگ اس کو شفاء سمجھ کر کھاتے ہیں اس لیے یہ جائز نہیں۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/ ۱۸٥)

۲٦۔ مختلف بزرگوں کے مزارات پر جو عرس کے نام پر اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اس میں اکثر لوگ مزاروں پر سجدہ وغیرہ کرتے ہیں مختلف طریقے سے نذر و نیاز منت چڑھاوے چڑھاتے ہیں عورت و مردوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے، سماع اور قوالی بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ بدعت اور گمراہی ہے اور ایسا عرس منانا اس میں شرکت کرنا سب ناجائز ہے۔

(ملخص از امداد المفتین)

۲۷۔ انسان کو اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے چاہیے قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا جائز نہیں ہے اس میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔

۲۸۔ آیت الکرسی پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا فی نفسہ جائز ہے البتہ اس کے ساتھ اور کوئی رسم و رواج انجام نہ دیا جائے۔

۲۹۔ نماز میں زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی اپنی توجہ برقرار رکھنے کے لیے زبان سے نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں، مثلاً فجر کی دو رکعت فرض امام کے ساتھ پڑھتا ہوں باقی اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

۳۰۔ اذان اور اقامت کے درمیان تثویب مکروہ ہے۔

(امداد الاحکام: ۱/ ٤۳۳)

۳۱۔ فرائض کے بعد اجتماعی دعا رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اس لیے اس کا التزام بدعت ہے، لہٰذا ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ فرائض کے بعد جہری دعاء کی رسم کو تو بالکلیہ ترک کر دیں اجتماعاً سری دعا کے متعلق مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لیے اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کبھی کبھار اجتماعی دعا میں ناغہ کر دیا

کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریق احسن ملاطفت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھائیں اور خوب ذہن نشین کرائیں تاکہ انتشار اور فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۶۸/۳)

۳۲۔ سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں لہذا سنن اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا مانگنا بدعت ہے۔

۳۳۔ شریعت میں مصافحہ کا موقع اول ملاقات ہے نمازوں کے بعد متصلاً ملاقات و مصافحہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے اس لیے اس سے احتراز واجب ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۳۵۵/۱)

۳۴۔ اذان کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں اس لیے ہاتھ اٹھائے بغیر ہی دعاء مانگی جائے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ جدید: ۲۴۱/۲)

۳۵۔ علماءِ احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ بھی مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہیں کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامة ابن العابدين رحمه الله تعالىٰ: ولا بأس بصوم يوم الجمعة عند ابي حنيفة رحمه الله، ومحمد رحمهم الله لما روي عن ابن عباس انه كان يصومه ولا يفطر.

(فتاویٰ حقانية: ۱۴۹/۴، ردالمحتار: ۹۱/۲ كتاب الصوم)

۳۶۔ تراویح کے ہر ترویحہ یعنی ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا مستحب ہے اس میں اختیار ہے تسبیح، درود شریف، استغفار، تلاوت، انفرادی طور پر آہستہ آواز میں جو آسان معلوم ہو اس میں مشغول رہے، بلند آواز سے اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہیں ہے اس لیے جائز نہیں۔

۳۷۔ تراویح ختم ہونے کے فوراً بعد وتر پڑھ لی جائے، اس کے بعد امام اور مقتدیوں کا تعلق ختم ہو جاتا ہے ہر ایک انفرادی طور پر تسبیح وتلاوت وغیرہ اعمال انجام دے سکتا ہے، سورۂ ملک پڑھے یا کوئی اور سورت لیکن اس وقت انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی مخصوص عمل شریعت سے ثابت

نہیں اس لیے تراویح کے بعد سورۂ ملک کی تلاوت کی تخصیص اور اس کا التزام بدعت ہے۔

۳۸۔ رمضان کے آخری ایام میں الوداع یا الفراق کہہ کر پکارنا خطبہ جمعہ میں یا کسی اور وقت اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لیے بدعت ہے۔

۳۹۔ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنے کے لیے چندہ کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنے کا التزام کرنا یا اس کو تراویح کا حصہ سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے۔ البتہ اگر کوئی اپنی حلال آمدن سے انفرادی طور پر تقسیم کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

٤٠۔ عید کی مبارکباد دینا لینا جائز ہے لیکن اسے سنت سمجھنا جائز نہیں، اسی طرح انہی مخصوص الفاظ ''عید مبارک'' کو سنت اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

(ماخوذ از بدعات رمضان: ص ٦٦)

٤١۔ نفلی صدقات وخیرات کے لیے دن کی تعیین یہ شریعتِ مطہرہ پر زیادتی ہے اس لیے ناجائز اور بدعت ہے بلا تعیین وقت جس وقت دل میں آئے خیرات کرے۔

٤٢۔ بعض اوقات نماز کے بعد جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد یہ کئی قبائح ومنکرات پر مشتمل ہونے کی بناء پر بدعت اور ناجائز ہے۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

٤٣۔ کھانے کے بعد دعاء کے موقع پر ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا ہاتھ اٹھائے بغیر انفرادی طور پر دعاءِ ماثور پڑھی جائے۔ اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہونے کی بناء پر واجب الترک ہے۔

٤٤۔ شبِ برأت کے موقع پر حلوہ پکانا ناجائز ہے۔

٤٥۔ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے نماز کے علاوہ جن مواقع پر اذان کو مشروع قرار دیا ہے ان میں شدید بارش کے وقت اذان کہنا مذکور نہیں اس لیے اس موقع پر اذان کہنا جائز نہیں۔

نسوار استعمال کرنا:

نسوار کے استعمال سے انسان کو غذائی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح اس میں ایک قسم کی بدبو بھی ہے جس سے فطرت سلیمہ کو گھن آتی ہے، لہٰذا اس کے استعمال کی عادت نہیں بنانی چاہیے، اگر کسی کو عادت پڑ گئی ہے تو اس کو ترک کرنے کی مکمل کوشش کی جائے، تاہم اس کے

استعمال کو حرام یا ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

البتہ نسوار رکھ کر مسجد میں جانا منع ہے، کیونکہ اس کی بد بو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے جب تک نسوار کھانے کی عادت نہ چھوڑے، اس وقت تک اس کا اہتمام کرنا لازم ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے منہ کو اچھی طرح صاف کرلیا جائے۔

باقی چونکہ نماز کے دوران کھانا پینا جائز نہیں اس لیے دورانِ نماز نسوار کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ کی حالت میں بھی نسوار کا استعمال جائز نہیں اگر کسی نے استعمال کرلیا تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کے ذمہ اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اختلفوا في معنى التغذي قال بعضهم أن يميل الطبع إلى أكله وتنقضي شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما يعود نفعه إلى صلاح البدن، وفائدته فيما إذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها فعلى الثاني يكفر لاعلى الأول، وبالعكس في الخشبة لانه لا نفع فيها للبدن ...... وربما تنقص عقله ويميل إليها الطبع وتنقضي بها شهوة البطن اهـ.

(ردالمحتار باب ما يفسد الصوم: ٢/٤١٠)

گانے کی طرز پر نظمیں پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنا، آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ، حسن و جمال کو بیان کرنا یا آپ ﷺ سے محبت وعقیدت کا اظہار کرنا جائز بلکہ کارِثواب ہے اور سرمایہ آخرت ہے۔

لیکن اس میں غلو کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کرنا یا دیگر شرکیہ کلمات کو آپ کے حق میں استعمال کرنا حرام، جہالت اور گمراہی ہے، اسی طرح نعت ونظم کو گانوں کے طرز پر پڑھنا اور اس کے ساتھ ساز اور موسیقی شامل کرنا، تعلیماتِ نبوی ﷺ سے سراسر انحراف بلکہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

وعن ابي مالك الاشعرى رضي الله عنه قال: قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليشربن ناس من امتي الخمر يسمونها لغير اسمها، يعزف على روسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم

الارض ویجعل اللہ منھم القردۃ والخنازیر۔

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ ابن حبان)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے اوران کے سامنے معازف اورمزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے اندر دھنسادے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنادے گا۔

وعن علی رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن ضرب الدف، والطبل والصوت الزمارۃ۔ (کذا في نیل الاوطار)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ڈھول طبلہ بجانے اور بانسری کی آواز سننے سے۔ (موجودہ زمانے کی موسیقی اسی میں داخل ہے)

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنادیا جائے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ مسلمان ہی ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ہاں وہ اس بات کی گواہی دینے والے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں (یعنی مسلمان ہوں گے) اورروزہ بھی رکھتے ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر ان کا قصور کیا ہوگا؟ تو ارشادفرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتوں اور ڈھول بجانے میں مشغول ہوں گے اور شراب پیا کریں گے وہ رات اسی طرح شراب پینے اور دوسری کھیل کود میں گزاردیں گے جب صبح کو اٹھیں گے تو ان کے چہرے مسخ ہوچکے ہوں گے۔ (رواہ ابن حبان)

لہٰذا نعت رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساز ملا کر پڑھنا یا ساز ملائے بغیر گانے کی طرز میں جس سے گانے کی طرف دھیان جائے یا گانے کی لذت محسوس ہو شرعاً جائز نہیں، ایسی نعت ونظم پڑھنے اور سننے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت بھی گانے کی طرز پر کرنا جائز نہیں ہے، قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھنا چاہیے۔

سی ڈیز میں محفوظ کی جانے والی چیز اکثر اہل علم وافتاء کے نزدیک تصویر ہی ہے، اس لیے ایسی

سی ڈیز کا استعمال ممنوع ہے، جن میں کسی جاندار کی تصاویر ہوں۔

روزہ میں انہیلر کا استعمال:

گیس پمپ (انہیلر) کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ دوائی کے ذرات حلق میں داخل ہوتے ہیں، اگر چہ وہ گیس یا دھویں کی شکل میں ہوتے ہوں۔

فقہاءکرام نے روزہ کی حالت میں دھواں یا غبار کو قصداً حلق میں داخل کرنے سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم لگایا ہے۔

وفي الدر: ومفاده أنه لو ادخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان، ولو عوداً أو عنبراً لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه شرنبلالي.

وفي ردالمحتار: ومفاده اي مفاد قوله دخل بنفسه بلا صنع منه قوله أنه لو ادخل حلقه الدخان بأي صورة كان الادخال حتى لو تبخر بخور فآواه الى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لامكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرض بين هواء تطيب بريح المسك، وشبه وبين جوهر دخان وصل الى حوفه بفعله.

(ردالمحتار: ۳۹۵/۲، مطبوعه سعید)

باقی جس اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں مسئلہ لکھنے والا کوئی شرعی عالم یا مفتی نہیں ہے مسائل دینیہ کے لیے مستند علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، ہر کس و ناکس کی بات پر اعتماد کرنا قطعاً جائز نہیں، بہر حال اب فتویٰ یہی ہے کہ ''انہیلر'' کا استعمال روزہ کی حالت میں جائز نہیں اگر کسی نے روزہ کی حالت میں استعمال کرلیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

بینک کے لیے تیار ہونے والے مکان میں مزدوری کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ اگر کسی کے رشتہ دار لکڑی کا کام کرتے ہوں (عام حالات میں ان کے یہاں زیادہ کام بھی نہیں ہوتا نہ گھر کے حالات زیادہ بہتر ہوتے ہیں) تو اگر اسے بینک کا کام کرنا پڑے جو ابھی نیا کھولا گیا ہو یعنی اس بینک کا مالک

پہلے کوئی اور کام کرتا تھا اور اب پرانا کام وغیرہ ختم کر کے بینک کھول رہا ہو اور اس بینک کی لکڑی کا تمام کام وہ اپنے رشتہ دار سے کروارہا ہو اور اس بینک کا معاوضہ پہلے ادا کر دیا ہو اور کچھ کام کے بعد ادا کرے گا اور اب ان کے یہاں خوشحالی بھی ہے تو ان کے گھر جانا، کھانا کھانا اور اگر انہوں نے کچھ رقم ہدیۃً دی ہو تو اس کا کیا حکم ہے اور اگر کچھ کتابیں وغیرہ منگوانا ہوں تو اس رقم سے منگوانا کیسا ہے؟ مسئلہ مذکورہ کی وضاحت فرما کر بندہ کی الجھن دور فرمائیں۔ بینوا توجروا

جواب: موجودہ دور میں بینک کے کاروبار میں اکثر سودی معاملات ہوتے ہیں، اب اگر کوئی بینک کا ادارہ قائم کرے گا تو وہ بھی اسی قسم کے سودی معاملات ہی انجام دے گا، اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا گناہ کے کام میں تعاون ہے جس سے قرآن وحدیث میں منع فرمایا گیا ہے:

﴿ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان ﴾ الآية

تاہم صورتِ مسئولہ میں چونکہ ابھی تک بینک کا ادارہ وجود میں نہیں آیا تھا اس لیے اگر یہ شخص پہلے کی حلال رقم سے اجرت ادا کرے تو وہ اجرت حلال ہوگی، اس اجرت سے بڑھئی کسی کو کھانا کھلائے یا ہدیہ کرے تو اس کو قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر اجرت کا کچھ حصہ بینک کے کام شروع ہونے کے بعد بینک یا سابق حرام کی آمدن سے ادا کرے تو بینک سمیت سابقہ آمدن کے حرام ہونے کی وجہ سے اس کو لینا استعمال کرنا خود بڑھئی کے لیے بھی حلال نہیں، اگر لے لیا ہے تو بلا نیتِ ثواب فقراء پر صدقہ کر دینا واجب ہے، اگر بڑھئی اس رقم میں سے کسی کو ہدیہ کرے تو اس ہدیہ کو قبول کرنا اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ کسی فقیر کو مالک بنا کر دیدے تو اس کے لیے استعمال جائز ہوگا۔

وفي الدر المختار قال: وجاز تعمير كيسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو بدابته باجر - وفي الشامية قال في الخانية: ولو اجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لانه لا معصية في عين العمل.

(ردالمحتار: ٣٩١/٦ كتاب الكراهية)

بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب بارش

نہ ہوں تو کچھ لوگ جمع ہو کر پیسے جمع کرتے ہیں خود بھی حصہ ڈالتے ہیں اور لوگوں سے بھی پیسے مانگتے ہیں پھر ان پیسوں سے چاول پکاتے ہیں اور لوگوں کو کھلاتے ہیں کہ دعا کرو اللہ تعالی بارش کریں، تو کیا ایسے لوگوں کو پیسے دینا جائز ہے؟ اور کیا یہ چاول وغیرہ کھانا جائز ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا

جواب: بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ علاقہ کے لوگ کسی میدان میں یا جامع مسجد میں جمع ہو کر استسقاء کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کریں، اس کے بعد اللہ تعالی سے مغفرت طلب کریں اور بارش کے لیے دعاء کریں اور اپنے طور پر صدقہ خیرات بھی کریں۔

لیکن سوال میں مذکورہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے اور اس میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ لوگوں سے جو چندہ لیا جاتا ہے، اس میں اکثر لوگوں کی خوش دلی کا یقین نہیں ہوتا، اس لیے اس طرح چندہ کرنا اس کو آگے استعمال کرنا کروانا شرعاً جائز نہیں ہے، اس میں چندہ دے کر شرکت بھی نہ کی جائے۔

لقوله عليه السلام : إلا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو: کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

دعوت ولیمہ ورخصتی کے احکام:

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام ان رسومات کے بارے میں جو کچھ عرصے سے ہمارے علاقے میں شروع ہیں اور بہت سے دیندار گھرانے اس میں مبتلا ہیں:

۱۔ نکاح اور رخصتی سے پہلے دعوت طعام کرتے ہیں، جس کو دعوت ولیمہ کہتے ہیں کیا اس کو ولیمہ مسنون کہا جا سکتا ہے؟ ہمارا گھرانہ جو کہ علاقے میں دیندار گھرانہ کہلاتا ہے اس میں ہمارے بھائی عبد اللہ کا نکاح ہو چکا ہے رخصتی سے ایک دن پہلے وہ ولیمہ کرنا چاہتا ہے کیا اس کو ولیمہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں اور دیندار گھرانہ جو کہ علاقہ میں مقتدا کی حیثیت رکھتا ہو اس کے لیے اس بارے میں کیا احتیاط ہے، جبکہ نکاح سے پہلے ولیمہ کا رواج پڑتا جا رہا ہے۔

۲۔ دعوتِ ولیمہ میں بعد الطعام ایک آدمی دروازے پر بٹھا دیتے ہیں جو کھانے

کھانے والوں سے پیسے وصول کرتا ہے اور ہر آدمی کا نام اور رقم لکھ لیتا ہے، پھر جب ان (رقم دینے والوں) میں سے کسی کی شادی ہوتی ہے تو یہ لوگ بھی اتنے ہی پیسے نہ کم نہ زیادہ دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہی طریقہ پیسہ ہمارے علاقے کے ہندوؤں کا بھی ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ جائز اور مسنون طریقہ سے ہماری راہنمائی فرمائیں۔

۳۔ برأت کو نکاح کے بعد لڑکی والے کھانا کھلاتے ہیں یا بعض لوگ ڈبے تقسیم کرتے ہیں کیا لڑکی والوں کو اس موقع پر کھانا کھلانا یا ڈبے تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز اور ان صورتوں میں دیندار مقتدا گھرانہ کے لیے کیا احتیاط ہے، نیز ان لوگوں کو اس طعام میں شرکت کرنا اور اس طعام کا اہتمام کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ باحوالہ رہنمائی فرمائیں۔

٤۔ منگنی میں ایک ہزار دیتے ہیں تاکہ دو ہزار ملیں، اسی طرح رخصتی کے بعد لڑکی کے بھائی، خاوند کے گھر اپنی بہن کو ملنے جاتے ہیں اور اس کو اس نیت سے پیسے دیتے ہیں کہ بعد میں دگنے ملیں گے، کیا ایسا کرنا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان تمام رسومات کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو مطعون کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دیندار مقتدا گھرانہ کے لیے کیا صورت بہتر ہے؟ بینوا توجروا

جواب: ۱۔ ولیمہ سنت ہے، البتہ اس کے لیے کوئی خاص وقت، خاص چیز، خاص مقدار شرعاً متعین نہیں ہے، حسب استطاعت جس وقت جس چیز کے ساتھ ہو ولیمہ کی سنت ادا کی جاسکتی ہے، دعوتِ ولیمہ نکاح کے وقت بھی ہوسکتی ہے نکاح کے بعد بھی، البتہ بہتر یہ ہے کہ شبِ زفاف یعنی میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کی جائے۔

قال العيني رحمه الله : قال في المغني : ويستحب لمن تزوج أن يولم ولو بشاة ، لا خلاف بين اهل العلم في أن الوليمة في العروس سنة مشروعة وليست بواجبة في قول اكثر أهل العلم (إلى قوله) وقال عياض : لا خلاف أنه لاحد لقليل الوليمة ولا لكثيرها ؟ أو اختلف السلف في وقتها : هل هو عند العقد أو عقيبها ؟ أو عند الدخول أو عقيبه ؟ أو موسع من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول ؟ اقوال . إلى ...... قوله وحديث انس فاصبح رسول الله صلى الله عليه

وسلم بزينب ، فدعى القوم صريح بأنها بعد الدخول .

(عمدة القاري : ١٤/١١١ ـ ١٢)

وعن أنس رضي الله عنه : أولم عليها (أي على صفية) بحيس

وعن صفية بنت شيبة رضي الله عنها قالت : أولم النبي صلى الله عليه وسلم على بعض نسائه بمدين من شعير . (مشكوٰة باب الوليمة)

۲۔ شادی کے موقع پر سوال میں ذکر کردہ طریقہ پر جو رقم وصول کی جاتی ہے اس میں کئی قباحتیں ہیں:

(۱) قرض کا لین دین ہے، جبکہ بلا ضرورت قرض کا لین دین شرعاً ایک ناپسندیدہ عمل ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے، نیز قرض کو قرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مقراض المحبۃ یعنی محبت کو کاٹنے والی قینچی ہے۔

(۲) بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ دوسرے کی شادی کے موقع پر یہ رقم بڑھا کر لوٹائی جاتی ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے۔

(۳) اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ قرض واپس کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، مثلاً واپسی سے پہلی ہی دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، یا علاقہ چھوڑ کر دور کہیں چلا جائے، اس صورت میں دوسرے کی حق تلفی اور ناجائز طور پر مال استعمال کرنے کا گناہ ہوا، اس لیے یہ رقم قابل ترک ہے۔

(٤) کسی کی دعوت کر کے اس سے پیسے وصول کرنا، غیرت وحمیت کے خلاف ہونے کے علاوہ ایک احمقانہ حرکت ہے، اگر کسی کو دعوت کرنے کی استطاعت نہیں وہ دعوت کرتا ہی کیوں ہے؟ بالکل نہ کرے یا جتنے افراد کو کھانے کی استطاعت ہے صرف اتنے ہی افراد کی دعوت کرے۔

(٥) اگر ہدیہ ہی تسلیم کیا جائے، قرض قرار نہ دیا جائے تو بھی یہ رقم عموماً رسم سے مجبور ہو کر دی جاتی ہے، طیبِ خاطر اور خوشدلی سے نہیں دی جاتی، اور حدیث میں آتا ہے

لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه .

کہ مسلمان کا مال اس کی طیبِ خاطر کے بغیر حلال نہیں، ہاں البتہ واپس لینے کی نیت یا رسم کے بغیر عزیز واقارب میں سے کوئی ہدیہ دے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں رخصتی کا کوئی خاص طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی بارات اور لوگوں کے اجتماع کا کوئی اہتمام تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی والدہ محترمہ نے رخصت کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ فرمایا، البتہ اگر پردے کا اہتمام ہو اور مردوں کے ساتھ اختلاط وغیرہ مفاسد نہ ہوں تو رخصتی کے وقت قریبی رشتہ دار خواتین کے گھر میں جمع ہونے کی گنجائش ہے، اور ان کے لیے بقدر استطاعت کھانے کا انتظام کرنا بھی درست ہے، لیکن اس کھانے کو صرف مہمان نوازی کی حیثیت دی جائے، اس کو دعوتِ مسنونہ نہ سمجھا جائے، کیونکہ رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام شریعت میں ثابت نہیں۔

٤۔ فی نفسہ ہدایا وتحائف کا لین دین شرعاً مطلوب ہے، آپس میں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے، حدیث شریف میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

لیکن منگنی کے موقع پر ہدیہ کے نام پر جو رقم اس غرض سے دی جائے تاکہ اس کا دوگنا عوض ملے یہ ایک خلافِ شرع رسم ہے اور درحقیقت یہ ہدیہ نہیں بلکہ سودی قرض کی ایک صورت ہے، اسی لیے فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے اس کو ربو میں داخل فرما کر ناجائز قرار دیا ہے۔

قال ملا جیون رحمه الله تعالیٰ في تفسيرات احمدية : تحت قوله تعالیٰ : ﴿ وما اتيتم من ربا ليربوا في اموال الناس فلا يربوا عند الله ﴾ الآية قالوا ويجوز أن يكون المراد به ربوا الحلال أي وما تعطونه من الهدية لتأخذوا اكثر منها فلا يربوا عند الله لانكم لم تريدوا بذلك وجه الله وبهذا المعنى وردت هذه الاية والا فالربوا المحرم قد ذكر في سورة البقرة وال عمران ولكن الامام الزاهد لم يجعل هذا الربوا حلال لابل سماه مكروها وقال إن الربوا نوعان حرام ومكروه والاية اشارة اليهما والله اعلم . (پ ۲۱ : ۵۹۹)

شادی کے تحفے تحائف:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ

۱۔ سکینہ (فرضی نام) کو طلاق ہو گئی ہے، منگنی کے وقت پہنائی گئی انگوٹھی اور منہ

دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے دی گئی انگوٹھی کیا وہ سکینہ کی ملکیت ہیں؟

۲۔ سکینہ کے سسرال والوں کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ ہم کو واپس کر دی جائیں صحیح ہے یا نہیں؟

۳۔ سلامی/ منہ دکھائی کے وقت سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو پیسے سکینہ کے ہاتھ میں دیئے گئے تھے وہ کس کی ملکیت ہیں سکینہ کی یا سسرال والوں کی؟

٤۔ سکینہ نے سلامی/ منہ دکھائی کے ان پیسوں سے اپنے لیے سونے کے جھمکے بنوالیے اب سسرال والوں کا مطالبہ ہے کہ وہ ہماری ملکیت ہیں ہمیں واپس کیے جائیں کیا وہ ان کو واپس کر دیئے جائیں؟

۵۔ سکینہ کے جہیز کی چیزوں کو قسطوں میں واپس بھجوانا اور ان چیزوں میں کمی کرنا کیا یہ درست ہے؟

٦۔ سکینہ سے منسوب کوئی ملکیتی چیز مثلاً تصویریں یا کوئی ایسی چیز جس سے مستقبل میں کوئی ایذاء پہنچانا مقصود ہو واپس نہ کرنا (سابقہ) سسرال والوں کا ایسا کرنا دین کے لحاظ سے کیسا عمل ہے؟

شریعت کی رو سے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

جواب: ۱۔ منگنی کے وقت جو انگوٹھی دی جاتی ہے وہ عورت کو ہدیۃً دی جاتی ہے، لہٰذا یہ انگوٹھی اس کی ملک ہے، واپس لینا جائز نہیں البتہ کسی جگہ کا عرف اور دستور عاریۃً دینے کا ہو، یا عاریت کے الفاظ کہہ کر دیا جاتا ہو تو اس کی ملک نہ ہوگی اور واپس لینے کا حق ہوگا۔

۲،۳،٤۔ منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو انگوٹھی دی جاتی ہے اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیئے جاتے ہیں وہ عورت کے لیے ہدیہ ہوتے ہیں اس کو واپس لینا جائز نہیں۔

قلت: ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الاعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي. وكذا ما يعطيها من ذلك او من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس، ويسمى في العرف صبيحة، فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر لا سيما المسمى صبيحة

فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس ايضا۔

(ردالمحتار مطلب فيما يرسله الى الزوجه : ۳/۱۵۳)

۵۔ عورت کو اپنے والدین یا عزیز و اقارب کی طرف سے بطور جہیز جو سامان دیا گیا ہے وہ اس کی ملکیت ہے، اس کو اس میں ہر جائز تصرف کا حق حاصل ہے، طلاق ہو جانے کی صورت میں شوہر کا بلا وجہ کسی چیز کو روکنا یا واپس کرنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ جو چیزیں داماد کو شادی کے موقع پر بطور تحفہ کے دی گئیں ہیں ان چیزوں کا مالک وہ خود ہے، ان کو واپس کرنا ضروری نہیں۔

لما في الولوالجية : جهز بنته ثم مات فطلب بقية الورثه القسمة. فإن كان الاب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة اهـ.

(ردالمحتار : ۳/۱۵۷ مطلب دعوى الاب ان الجهاز عارية)

٦۔ تصویر وغیرہ روکنا اس سے ایذاء پہنچانا کسی اور طریقہ سے بھی کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے۔

البتہ شادی کے موقع پر تصویریں بنوانا پھر ان کو بطور یادگار رکھنا شرعاً سخت گناہ ہے، ایسی تصویروں کو ضائع کرنا لازم ہے، لہٰذا ان تصویروں کو عورت یا اس کے رشتہ داروں کے سامنے ضائع کردیں۔

تنبیہ: سوال میں مذکور ہے، عورت کو منہ دکھائی کے وقت تحفے دیئے گئے، بعض علاقوں میں اس عمل کو بطور رسم کے ادا کیا جاتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، خصوصاً غیر محرم مردوں یعنی شوہر کے بھائی، چچا زاد، ماموں زاد، بہنوئی وغیرہ اس موقع پر دلہن کو دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، اس رسم بد سے بچنا بچانا لازم ہے۔

تمت